کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ

خط و کتابت کورس :

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

سے استفادہ کیجئے!

نیز

اللہ کے پُر تاثیر کلام سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی خاطر
عربی زبان سیکھنے کے لئے، اس کے ابتدائی قدم کے طور پر

عربی گرامر خط و کتابت کورس

میں داخلہ لیجئے!

مزید برآں ترجمہ قرآن حکیم کورس میں بھی داخلے جاری ہیں

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس کے حصول کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 03-5869501

وَمَن يُؤتَ الحِكمَةَ فَقَد أُوتِيَ خَيرًا كَثِيرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے ایم فل پی ایچ ڈی

معاون: حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ)

ادارہ تحریر: حافظ خالد محمود خضر، پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی

جلد ۱۸ | رجب / شعبان ۱۴۲۰ھ — نومبر ۱۹۹۹ء | شمارہ ۱۱

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے. ماڈل ٹاؤن. لاہور ۱۴- فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بیکری. شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۶۵۸۶

سالانہ زرتعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اول

مرکزی انجمن کا ۲۷ واں سالانہ اجتماع

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ۲۷ واں سالانہ اجتماع ان شاء اللہ العزیز ۱۴/ نومبر کو قرآن آڈیٹوریم گارڈن ٹاؤن لاہور میں منعقد ہو گا۔ اس اجلاس میں معمول کی رسمی کارروائی، یعنی مرکزی انجمن کی سال بھر کی کارگزاری کا اجمالی خاکہ اور آمد و خرچ کا حساب پیش کرنے کے علاوہ حسب معمول مرکزی انجمن کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا خصوصی خطاب بھی شامل ہو گا۔ جس کے ذریعے ہمیں ان شاء اللہ نہ صرف یہ کہ موجودہ حالات کے حوالے سے محترم صدر مؤسس کے خیالات سے آگاہی ہو گی بلکہ فکری و عملی رہنمائی کی وہ عظیم دولت بھی حاصل ہو گی جو سرتاسر قرآن حکیم سے ماخوذ و مستنبط ہے۔

اس موقع پر ان شاء اللہ العزیز مرکزی انجمن کی سالانہ رپورٹ بھی کتابچے کی صورت میں شرکاءِ اجلاس کو ہدیہ کی جائے گی جس میں مرکزی انجمن کے مختلف شعبہ جات کی قدرے تفصیلی رپورٹ کے ساتھ ساتھ منسلک انجمنوں کی سالانہ رپورٹوں کا خلاصہ بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے کہ مرکزی انجمن پاکستان کے مختلف شہروں میں قائم ذیلی انجمنوں کے لئے "مادر ادارے" کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بطن سے ذیلی انجمنوں کے شرارے پھوٹے ہیں۔

مرکزی انجمن کا یہ سالانہ اجلاس جہاں ہمیں یہ موقع فراہم کرے گا کہ گزشتہ سال کے دوران خدمت قرآنی کا جو کام بھی ہم سے بن پڑا ہے اس پر تہہ دل سے اللہ کا شکر بجا لائیں کہ یہ سب کچھ اس کی دی ہوئی توفیق کا مرہونِ منت ہے، وہاں ہمیں اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات کے ادراک کے حصول کا موقع بھی ہاتھ آئے گا۔ اور ہم ایک ولولہ تازہ اور عزمِ مصمم کے ساتھ اجلاس سے رخصت ہوں گے کہ آئندہ سال کے دوران ہمیں اپنی رفتارِ کار کو تیز تر کرتے ہوئے سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کا سامان بھی کرنا ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا۔

درس ۱۴

مسلمانوں کی سیاسی و ملّی زندگی

کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۲)

ایمان کا راستہ

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ —— صدق اللّٰہ العظیم

"کہئے : کیا تم اللہ پر جتلانا چاہتے ہو اپنا دین' حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں' اور اللہ تو ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ وہ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے۔ کہئے : مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ دھرو' بلکہ اللہ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ سجھائی اگر تم فی الواقع سچے ہو۔ یقیناً آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی چیز اللہ کے علم میں ہے' اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔

فتح مکّہ کے بعد ایمان لانے والوں میں زیادہ تعداد اعراب یعنی بدّوؤں کی تھی۔ ان میں سے اکثر کی کیفیت ایک علاقائی محاورے "تھوتھا چنا باجے گھنا" یعنی "خالی برتن زیادہ کھڑکتا ہے" کے مصداق تھی۔ چنانچہ جن کے دل میں ایمان نہیں تھا وہ کچھ زیادہ ہی بڑھ چڑھ کر اپنے ایمان و اسلام کا اظہار کرتے اور آنحضور ﷺ پر احسان جتاتے تھے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو لڑے بھڑے بغیر ایمان لے آئے تھے اضافی حقوق کا مطالبہ کرتے کہ دیکھئے حضورؐ! نہ تو ہم نے آپ سے جنگ کی' نہ کبھی آپ کی مخالفت کی بلکہ ہم پُرامن طور پر اسلام لے آئے' لہٰذا ہمارا حق دوسروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہے۔ ہمیں صدقات میں سے بھی حصّہ ملنا چاہئے اور ہماری رعایت زیادہ ہونی چاہئے۔ اس آیت میں انہی زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والوں کے بارے میں قدرے سرزنش کے انداز میں فرمایا: ﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ﴾ کہ اے نبیؐ! آپ ان سے پوچھئے کہ تم کس کو بتانا چاہتے ہو کہ تم اسلام لے آئے ہو؟ کیا تم اللہ کو اپنے دین و ایمان کی اطلاع دینا چاہتے ہو؟ اسے جتلانا چاہتے ہو کہ تم ایمان لے آئے ہو! ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ "حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"۔ اگر تمہارے دل میں ایمان ہے' اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو کیا کوئی چیز اللہ کی نگاہوں سے پوشیدہ اور اس کے علم سے باہر ہو سکتی ہے! ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ "اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے"۔ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

اصل میں وہ اپنے ایمان کا احسان رسول اللہ ﷺ پر دھرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا﴾ "اے نبی! یہ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ یہ اسلام لے آئے ہیں"۔ چونکہ صدقات کی تقسیم کا معاملہ آپؐ کے ہاتھ میں تھا' لہٰذا اپنے اسلام لانے کا احسان آپؐ پر دھرتے تھے تاکہ صدقات و خیرات میں سے زیادہ سے زیادہ حصّہ مل سکے!

نوٹ کیجئے' یہاں ایمان اور اسلام کو پھر الگ اصطلاحات کی شکل میں لایا جا رہا ہے اور اس اعتبار سے یہ مقام پورے قرآن مجید میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے کہ اسلام اور ایمان کو علیحدہ علیحدہ بھی کیا گیا لیکن اس آیت میں ان دونوں کے ربط کو بڑی خوبصورتی سے واضح بھی کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ آیت کے پہلے حصّے میں اسلام کا آنحضور ﷺ پر احسان

جتانے کے حوالے سے ان کے طرزِ عمل پر گرفت فرمانے کے بعد کہ : ﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ﴾ "اے نبی یہ آپ پر احسان دھر رہے ہیں کہ اسلام لے آئے' کہہ دیجئے مجھ پر کوئی احسان نہ دھرو اپنے اسلام کا"۔ فرمایا : ﴿ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ "بلکہ اللہ تم پر احسان دھرتا ہے (اس کا احسان مانو) کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھا دیا ہے اگر تم (اپنے دعوائے اسلام میں) سچے ہو"۔ یعنی ایک تو وہ لوگ تھے جنہوں نے دھوکہ دینے کی نیت سے کلمہ پڑھا' یہاں ان کی بات نہیں ہو رہی' اگر تم نے دھوکے کی نیت کے بغیر اسلام کا کلمہ زبان سے ادا کیا ہے تو گویا کہ اللہ کا احسان مانو کہ تمہیں اللہ اس راستے پر لے آیا ہے کہ جس کی اگلی منزل ایمان ہے۔ اب تم ایمان تک پہنچ سکتے ہو' اس تک رسائی حاصل کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ جو شخص اس سڑک پر آ گیا اب گویا کہ اس کے لئے آسان ہے کہ وہ ایمان کی منزل تک رسائی حاصل کر لے۔ "ہدایت" کے مختلف درجات کو ذہن میں رکھئے کہ راہ دکھا دینا بھی ہدایت کا ابتدائی درجہ ہے اور راہ پر لے آنا بھی ہدایت ہی کا اگلا درجہ ہے۔ یہاں دونوں اعتبارات سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے : ﴿ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ "کہ رسولؐ پر اپنے ایمان و اسلام کا احسان دھرنے کی بجائے اللہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ پر ڈال دیا' اگر تم فی الواقع اپنے دعوائے اسلام میں سچے ہو"۔ بقول شاعر ؎

"منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت"

یہاں نوٹ کیجئے کہ پہلے لفظ "اسلام" کے حوالے سے گفتگو ہے : ﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ﴾ اور پھر ﴿ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ میں ایمان کی راہ پر ڈالنے کا ذکر اللہ تعالیٰ کے احسان کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس طرح "اسلام" اور "ایمان" کو دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحات کے طور پر بیان کر کے ان کے باہمی ربط کو بھی واضح فرما دیا ہے۔

آگے چلئے' فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یہ اس سورۃ مبارکہ کی اختتامی (concluding) آیت ہے۔ "اللہ تعالیٰ تو آسمانوں اور زمین کی ہر

چھپی شے کا جاننے والا ہے"۔ ﴿ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ﴾ "اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو"۔ اس میں ایک طرح کی دھمکی بھی مضمر ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں تمہارے اعمال کو' تمہارے سارے کرتوت ہماری نگاہ میں ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مخلص اہل ایمان کے لئے تسلی کا سامان بھی ہے کہ تمہاری قربانیاں' تمہارا ایثار اور تمہارے اعمالِ صالحہ سب ہماری نگاہ میں ہیں' ہم ان سب سے بے خبر نہیں ہیں۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ سے تسلی آمیز انداز میں فرمایا گیا : ﴿ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا ﴾ "اے نبی' آپ ہماری نگاہوں میں ہیں"۔ اس اعتبار سے ہر صاحب ایمان کے لئے یہ الفاظ گویا کہ ہمت افزائی کا موجب ہیں کہ : ﴿ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ لیکن جن کے دلوں میں روگ ہے ان کے لئے یہی الفاظ کلمۂ تہدید کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ دھمکی آمیز الفاظ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان حقیقی سے بہرہ اندوز فرمائے اور اس کے جو اضافی ارکان ہیں' ارکان اسلام پر مستزاد' یعنی یقین قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ' ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امیر تنظیم اسلامی محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد و ابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور اِرتقاء کے مراحل

✹ حیاتِ ارضی کا اِرتقاء ✹ تکمیل تخلیق آدم

✹ عطاءِ خلعت خلافت ✹ رحم مادر میں تخلیق آدم کے مراحل کا اعادہ

جیسے بہت سے اہم موضوعات پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ڈارون تھیوری کے باعث ذہنوں میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے تسلی بخش جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا آج ہی اس نادر کتاب کی کاپی محفوظ کرائیے۔

قیمت : 20 روپے ○ عمدہ طباعت ○ صفحات : 60

ملنے کا پتہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501 فیکس : 5834000

قرآن حکیم اور عصرِ حاضر کے علمی، فکری اور عملی تقاضے

خطاب : ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب و تسوید : ڈاکٹر ایف ایم ناز / فرقان دانش خان

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ○ ﴾ (العلق : ۱ - ۵) ﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ○ ﴾ (القلم : ۱) ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا○ ﴾ (بنی اسرائیل : ۳۶) ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ ﴾ (الزمر : ۳۸) ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا... ﴾ (البقرۃ : ۳۱) ﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ ﴾ (البقرۃ : ۳۸) ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰہِ شَهِیْدًا○ ﴾ (الفتح : ۲۸) —— صدق اللہ العظیم

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین! اعلان کے مطابق تو میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے "قرآن حکیم اور عصر حاضر کے علمی اور فکری تقاضے" لیکن میں آپ حضرات سے اجازت چاہتا ہوں کہ اپنے اس موضوع میں تھوڑی سی توسیع کروں، یعنی "قرآن حکیم اور عصرِ حاضر کے علمی، فکری اور عملی تقاضے۔" اس لئے کہ میرے نزدیک انسانی شخصیت کے دو رُخ ہیں : علم و فکر اور عمل و کردار۔ ان دونوں کے مجموعے کا نام انسانی شخصیت ہے اور یہ

دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کے علم و فکر یعنی نظریات و افکار ہی کا ظہور اس کے کردار' اس کے اعمال' اس کے اخلاق اور اس کے معاملات میں ہوتا ہے۔ ان دونوں کے مابین چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فکر صحیح ہو گا تو عملی روش بھی صحیح ہو گی' فکر ہی غلط ہو گا ع "خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج" تو عمل کا سارا قصر ہی کج تعمیر ہو گا۔ فکر محدود ہو گا تو عمل بھی محدود ہو گا۔ فکر میں وسعت ہو گی تو کردار میں بھی وسعت ہو گی۔

ایک بات اور نوٹ کر لیجئے کہ لزوم کا یہ سارا معاملہ یک طرفہ نہیں ہے۔ جیسے انسان کی فکر' اس کی سوچ' اس کے نظریات' اس کے افکار' اثر انداز ہوتے ہیں اس کے طرزِ عمل پر' اس کے کردار پر' اس کے اعمال پر' اسی طرح بلکہ اسی قدر انسان کا کردار اور اس کا عمل اثر انداز ہوتا ہے اس کے فکر پر۔ اگر کسی سبب سے انسان کا علم اگرچہ بلندی پر پہنچ چکا ہو' فکری اعتبار سے انسان ترفع حاصل کر چکا ہو' لیکن عمل میں پیچھے رہ جائے' یعنی اس فکر کے عملی تقاضے پورے نہ کرے تو پھر انسانی شخصیت میں Reverse Gear بھی لگتا ہے اور انسان کے فکر میں بھی زوال آتا ہے۔ ع "نہ ہو نومید' نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے!" انسان کا عمل اور اُس کا کردار اُس کے علم اور فکر پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے میں چاہتا ہوں کہ آج سب سے پہلے آپ کے سامنے اس حقیقت کو رکھوں کہ ہمارا جو دورِ زوال ہے بحیثیت اُمّتِ مسلمہ' صدیوں کا انحطاط' صدیوں کا زوال اس کے مظاہر کیا ہیں' جو میرے آج کے موضوع سے متعلق ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' انسانی شخصیت کے دو رخ ہیں' علم و عمل۔ پھر علم کے بھی دو حصّے ہیں۔ اس حصّے پر مجھے بعد میں قدرے تفصیل سے بھی عرض کرنا ہے۔ اس وقت اجمالاً نوٹ کیجئے۔ علم کا ایک حصّہ دُنیوی علم کہلاتا ہے جبکہ دوسرا دینی علم۔ گویا علم کی دو شاخیں ہیں۔ اس کے ضمن میں علامہ ابن خلدون کا یہ قول ہے کہ "اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ : عِلْمُ الْاَبْدَانِ و عِلْمُ الْاَدْیَانِ" یعنی علم دو حصّوں پر مشتمل ہے' یا علم کی دو شاخیں ہیں : ایک ہے علم الابدان' Physical Bodies کا علم' Physical Objects کا علم یا مادی علم۔ اسی کو ہم دُنیوی علم کہتے ہیں' اور ایک ہے علم الادیان یعنی دین کا علم' شرائع سماویہ کا علم' ہدایت آسمانی کا علم۔ ان دونوں کے مابین بد قسمتی سے ہمارے ہاں ایک ثنویت قائم ہو گئی ہے' جدائی پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارا جو مذہبی حلقہ ہے وہ علم کے نام سے صرف علم دین

سے واقف ہے۔ بقیہ علم تو گویا سیکولر قرار دیا جا چکا ہے۔ حالانکہ از روئے قرآن وہ بھی درحقیقت علمِ حقیقت ہی کا ایک پرتو ہے۔ قرآن اس کی اہمیت کو بھی emphasize کرتا ہے۔ لیکن ہمارے زوال اور انحطاط کا مظہرِ اول یہ ہے کہ ہمارے ہاں کم از کم مذہبی حلقہ میں علم کا اطلاق محدود ہو کر رہ گیا ہے صرف ایک حصہ پر، یعنی علم دین یا علم شریعت یا آسمانی ہدایت کا علم۔

اسی طرح ہر شخص جانتا ہے کہ عمل کے بھی دو حصے ہیں : عبادات اور معاملات۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے ہاں دینی مزاج رکھنے والے طبقہ میں سارے کا سارا زور عبادات پر ہے۔ ساری سوچ و بچار اور سارا غور و فکر عبادات تک محدود ہے۔ چنانچہ کسی انسان میں اگر کوئی مذہبی جذبہ بیدار ہو بھی جاتا ہے، خواہ سبب کچھ بھی رہا ہو، تو بھی اس کا سارا زور، اس کا جوش و جذبہ، اس کا سارا خروش عبادات پر مرتکز ہو کر رہ جاتا ہے۔ معاملاتِ زندگی کو شاید ہم نے دین و مذہب کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے۔ جبکہ معاملات کے بھی مزید دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک محدود سے حلقہ میں انسان کا اپنا ذاتی کردار ہے۔ یہ حلقہ اس کے دوستوں، آباء و اجداد، اولاد، گھر والوں، محلے والوں، دفتر والوں یا Business Colleagues پر محیط ہو سکتا ہے۔ چلئے! اس کے بارے میں یہ خیال بھی درست ہے کہ یہ معاملات صداقت، امانت، خلوص اور اخلاص پر مبنی ہونے چاہئیں۔ لیکن ایک وسیع تر سطح پر انسان کا اجتماعی فلاحی نظام (System of Social Justice) بھی دین ہی کا موضوع ہے، اس کی بھی دین میں اتنی ہی اہمیت ہے۔ لیکن ہمارے مذہبی طبقہ کے تصورات سے یہ چیز خارج ہو چکی ہے۔ ٹھیک ہے انفرادی حد تک دین کے تقاضے پورے کرنا بھی ضروری ہے، عبادات سے بڑھ کر بھی کسی درجہ میں، جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے، سچ بولے، کسی سے خیانت نہ کرے، وعدہ خلافی نہ کرے، اپنے ایک دائرہ میں معاملات کو درست کرے۔ لیکن اس سے آگے یہ کہ پورے انسانی معاشرے اور نظامِ اجتماعی کے حوالے سے سیاسی سطح پر جو گھٹن (repression) ہے، معاشی سطح پر جو استحصال (exploitation) ہے اور سماجی سطح پر جو امتیاز (discrimination) ہے، ان کے خلاف جدوجہد (struggle)، محنت اور اس کے لئے ایثار و قربانی، یہ بھی دین کا موضوع ہے۔ یہ شے ہمارے دینی تصورات سے خارج ہو

چکی ہے۔

میں اپنی اس بات کا خلاصہ بیان کروں تو میں نے پانچ اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ایک علم تو علم الابدان ہے' Physical Bodies کا علم یا وہ علم کہ جس کو علم الاشیاء کہیں گے۔ دوسرا علم جو آسمانی ہدایت' اللہ کی شریعت' اوامر و نواہی' حلال و حرام اور فرائض کا علم ہے۔ تیسری شے عبادات' چوتھی شے انفرادی زندگی میں انسان کا رویہ اور آخری اور پانچویں شے اجتماعی نظام کو درست کرنا اور اس میں سے ظلم و استحصال کا خاتمہ کرنا۔ ان پانچ میں سے اکثر و بیشتر ہمارا مذہبی طبقہ صرف ایک چیز یعنی عبادات پر قائم و دائم ہے۔ جن لوگوں کا فکر یا شعور کچھ وسیع تر ہوتا ہے وہ اس سے آگے بڑھ کر علم دین کے حصول تک چلا جاتا ہے یا ادھر اپنی ذاتی زندگی کی حد تک معاملات کو درست کر لیتا ہے۔ درحقیقت آج کا ہمارا سب سے بڑا dilemma یہ ہے۔ جب تک یہ عقدہ حل نہیں ہو گا امت مسلمہ کی حالت تبدیل نہیں ہو گی۔ چنانچہ وہ علم جسے ہم نے سیکولر قرار دے دیا ہے' اس کے بارے میں ہمیں اپنا موجودہ تصور بدلنا ہو گا' یعنی یہ علم بھی اصلاً اسی حقیقت کا ایک پرتو ہے جس کا ایک پہلو' ایک aspect "علم دین" ہے۔ یہ میں ذرا بعد میں تفصیل سے عرض کروں گا۔ دوسرے ہمیں اس شعور کو عام کرنا ہو گا کہ انسان کی عملی زندگی میں اس کے کردار کا اصلی ٹیسٹ یہ ہے کہ وہ دنیا سے ظلم اور استحصال کے خاتمہ کے لئے قربانی دینے' جدوجہد کرنے' ایثار اور سعی و جدوجہد کے لئے آمادہ ہے یا نہیں؟

علم کی اقسام

اب اس تمہید کے بعد میں عرض کروں گا کہ جہاں تک میں نے قرآن حکیم کا مطالعہ کیا ہے اس کے مطابق قرآن کا فلسفہ علم کیا ہے؟ اور علم کی کون کون سی اقسام ہیں؟ میں آج چاہتا ہوں کہ اس کا ایک مختصر سا خاکہ آپ کے سامنے رکھوں۔ ابن خلدون کا قول میں آپ کو سنا چکا ہوں : العلم علمان : علم الابدان و علم الادیان۔ قرآن حکیم میں سورۃ البقرۃ کا چوتھا رکوع اس موضوع پر نقطۂ عروج (Climax) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انسان کا مقام اس کائنات میں معین ہوا :

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ ﴾

(آیت ۳۰)

"اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

یہ انسان کا مقام ہے کہ اس کائنات کے خالق و مالک نے اسے اپنا نائب قرار دیا ہے۔ یقیناً انسان ایک حیوان بھی ہے' لیکن نظریۂ ارتقاء کے ماننے والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسان اگرچہ حیوان ہے لیکن Evolution Tree کی انتہائی بلندی پر کھڑا ہے۔ گویا ان کے نزدیک انسان ایک انتہائی ارتقاء یافتہ حیوان ہے۔ لیکن قرآن یہ بتاتا ہے کہ یہ محض حیوان نہیں کچھ اور بھی ہے۔ اس کے اندر کوئی اضافی حقیقت ہے۔ بہرحال میں یہاں صرف اشارہ کر رہا ہوں کہ انسان کو اگر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تو اس خلافت کی اساس اور بنیاد کیا ہے؟ قرآن سے اس سلسلے میں ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے :

﴿ ... قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا... ﴾

یعنی جب فرشتوں نے بطورِ استفہام عرض کیا یا انہوں نے بات سمجھنے کے لئے عرض کیا کہ کیا تو اسے اپنا نائب بنا رہا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو وضاحت فرمائی وہ یہ ہے کہ ہم اسے علم دے رہے ہیں' اس کی خلافت کی بنیاد علم ہے۔ لیکن کون سا علم؟ وہ علم الاسماء تھا۔

اس رکوع کے آخر میں ایک دوسرے علم کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ایک آزمائشی جنت میں رکھا گیا اور ان کے سامنے انہیں ایک تجربہ کرا دیا گیا کہ ان کا ایک دشمن ہے جو انہیں ورغلانے کی کوشش کرے گا' اس کے ہتھکنڈوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ پھر جو بھی خطا ہوئی اس کے بعد قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ آدم و حوا نے استغفار کیا :

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

تو ان کی توبہ قبول ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ اب یہاں سے اترو' جہاں کے لئے تمہاری تخلیق ہوئی اب اس کا چارج سنبھالو۔ اس کے بعد فرمایا :

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ ﴾

"اب جب تمہارے پاس پہنچے گی میری جانب سے کوئی ہدایت تو جو کوئی پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی اس کو نہ کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ وہ کسی حزن سے دوچار ہو گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی فرمایا :

﴿ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ○ ﴾

"اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کا انکار کریں گے وہ آگ والے ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہ دوسرا علم ہے۔ یوں سمجھئے جیسے پر کار کے اگر دونوں بازو جوڑ دیئے جائیں تو تقریباً ایک ہی شے نظر آئے گی۔ کھول دیجئے تو گویا کہ پر کار کھل گئی ہے۔ علم کی یہ دونوں شاخیں پر کار کی مانند ہیں۔ اس رکوع کے شروع میں ایک علم کا تذکرہ ہے جس کا عنوان ہے "علم الاسماء" یعنی طبعی علوم' جبکہ دوسرا علم ہدایت ربانی ہے۔ دونوں کا ذکر قرآن حکیم برابر کے اہتمام کے ساتھ کر رہا ہے۔ بلکہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک بڑی پیاری بات مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قول کی صورت میں نقل کی ہے۔ وہ بہت بڑے صوفی اور بہت بڑے عالم دین تھے' لیکن انہوں نے جو بات کہی وہ اس عمومی تصور کے برعکس ہے جو میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے دینی تصورات میں اضمحلال آ چکا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ معلوم ہوا کہ خلافت کی بنیاد علم و فہم ہے' عبادت و ریاضت نہیں۔ یہ بات درحقیقت ایک بہت بڑے عالم دین کی طرف سے بڑی اہمیت کی حامل ہے' کیونکہ عام تصور وہی ہے کہ سارے کا سارا زور عبادت و ریاضت پر ہے۔ چنانچہ دینی جذبہ کل کا کل ڈھل جاتا ہے اور بہہ نکلتا ہے اسی نشیب کی طرف۔ علم و فہم' اس کی اہمیت' اس کا مقام دینی تصورات سے خارج ہو چکا ہے۔ تاہم قرآن مجید کے اس مقام سے ثابت ہوا کہ خلافت و امامت کا تعلق عبادت و ریاضت سے نہیں ہے۔

یہاں میں نے ایک اضافہ کیا ہے۔ میرے نزدیک ایک دوسری اصطلاح "امامت"

بھی اہمیت کی حامل ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں یہ لفظ امامت ایک تو چونکہ اہل تشیع کے ہاں ایک مستقل عقیدہ کی شکل اختیار کر گیا ہے' پھر یہ کہ یہ لفظ ہمارے ہاں امراء و حکام کے لئے بھی استعمال ہونے کے باعث متنازعہ حیثیت اختیار کیا گیا ہے' لیکن قرآن مجید کی حد تک اگر ہم دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ خلافت و امامت کا فرق جو ہے وہ اس اعتبار سے کہ خلافت کا لفظ حکومت کے لئے آتا ہے : ﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ ﴾ (ص : ۲۶) "اے داؤد (علیہ السلام)! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا"۔ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے۔ یہ حاکمیت' حکومت' بادشاہت کے لئے لفظ "خلافت" ہے۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا : ﴿ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (البقرۃ : ۱۲۴) "میں تمہیں پوری نوعِ انسانی کے لئے امام بنانے والا ہوں"۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی حکومت قائم نہیں ہوئی' آپ کسی ریاست کے سربراہ نہیں تھے' کہیں کوئی تمکن فی الارض حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوا۔ اسی طرح سے سورۃ السجدۃ میں آیت آئی ہے کہ : ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ہم نے ان میں سے ایسے امام اٹھائے کہ جو ہمارے اذن اور ہماری توفیق سے لوگوں کی ہدایت پر مامور تھے' ان کو ہدایت کی طرف بلاتے تھے۔ اور میں آج سوچ رہا تھا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ لفظ امام استعمال ہوتا ہے علماء کے لئے جو بہت بڑے ائمہ حدیث ہیں یا ائمہ فقہ ہیں۔ مثلاً امام بخاری' امام ابو حنیفہ' امام مالک رحمہم اللہ' ان کا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا' یہ علم کے امام تھے' علم جو وراثت نبوت ہے' جس کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی' ان کی وراثت تو علم ہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہدایت و علم اور خاص طور پر علم کا وہ حصہ ﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ﴾ اس کا تعلق امامت سے ہے' لیکن یہ حکومت' غلبہ' تمکن' زمین پر بااختیار ہونا' اس کے لئے لفظ "خلافت" استعمال ہوا ہے۔

انسانی علم کے ذرائع

اب جو یہ تقسیم میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں' علم کے دو حصے' اس کی مزید ایک تقسیم ہے جو شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے کی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ

نے فلسفہ اور تصوف کے غامض موضوعات پر تین چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف فرمائے : ھمعات' لمعات اور سطعات۔ بعض حضرات تو ان ناموں سے واقف ہوں گے' لیکن بعض حضرات کے لئے شاید یہ نام بھی نئے ہوں۔ چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں لیکن بہت دقیق۔ شاہ اسمٰعیلؒ نے اپنے دادا کی ان تصانیف کی تسہیل اور تفہیم کے لئے کتاب لکھی جس کا نام "عبقات" ہے۔ اس کا پہلا عبقہ بہت مختصر ہے' کوئی ایک یا سوا صفحہ کا وہ باب ہے۔ جب میں نے وہ کتاب پڑھی تو ان کے تبحر علمی اور ان کے فہم کی گہرائی کا مجھے اندازہ ہوا۔ انہوں نے انسانی علم کے تین ذرائع (Sources) معین کئے ہیں۔ دراصل یہی میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے۔ انسانی علم کے ذرائع کیا ہیں۔

نمبر ۱ : حواس (Sence Organs) کے ذریعے ہمیں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ حواس ظاہری سے ہمیں حاصل ہونے والی معلومات کو آپ Sense Data کہہ سکتے ہیں۔

نمبر ۲ : علم بالعقل' وہ علم جس کا تعلق ہمارے دماغ سے ہے۔ اس کو واضح طور پر سمجھ لیجئے کہ جب مجرد عقل کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا تعلق دماغ سے ہے' اس کمپیوٹر سے ہے جو Sense Data کو Process کرتا ہے۔ میں نے آغاز میں سورۂ بنی اسرائیل کی جو آیات پڑھی ہیں' ان میں سمع' بصر اور فواد کے تین لفظ آئے ہیں :
﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ یعنی جن چیزوں کا تمہیں علم حاصل نہ ہو اس پر کوئی موقف قائم نہ کرو' اس کے پیچھے نہ پڑو' اپنے موقف اور اپنے طرزِ عمل کی بنیاد علم پر رکھو۔ اور اس کے ذرائع کیا ہیں : سمع' بصر اور فواد۔ یہاں فواد کا ترجمہ عام طور پر کیا جاتا ہے "دل"۔ مجھے اس سے اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اس فواد سے مراد ہے "عقل"۔ Sense Data کو Process کرتا ہے ہمارا یہ دماغ کا کمپیوٹر' نتیجہ نکالتا ہے' infer کرتا ہے۔ مثلاً پرانے زمانے میں کسی نے دیکھا ہو گا کہ دو پتھر ٹکرا گئے' کوئی چٹان کسی دوسری چٹان کے اُوپر گری اور اس سے آگ کا ایک شعلہ پیدا ہوا۔ یہ انسان کا مشاہدہ تھا۔ اسی مشاہدے (Observation) سے پھر انسان نے آگ ایجاد کی۔ پتھروں کو ٹکرایا اور آگ نکالی۔ تصور کیجئے جبکہ انسان ابھی آگ کو جانتا بھی نہیں تھا' ابھی توانائی کے سب سے پہلے ذریعہ

سے وہ واقف نہیں تھا۔ جب کہیں اتفاقاً کسی نے یہ معاملہ دیکھا ہو گا جو اس کی observation تھی' پھر اس نے نتیجہ نکالا ہو گا اور اپنے اعضاء و جوارح سے experimentaion کیا ہو گا تاکہ جو بھی نتیجہ اس نے نکالا اسے verify کرے کہ کیا ایسا واقعتاً ہوتا ہے۔ پھر پتھروں کو ٹکرا کر اس نے بار بار دیکھا ہو گا کہ آگ نکلتی ہے یا نہیں اور اس نے جو نتیجہ نکالا تھا وہ صحیح تھا یا غلط۔ یہ ہے درحقیقت انسانی علم ـــــ علم بالحواس' علم بالعقل۔

لیکن علم کا ایک تیسرا ذریعہ بھی ہے جس کو شاہ اسمٰعیلؒ نے علم بالقلب قرار دیا ہے۔ علم کا ایک source دل بھی ہے۔ یہ درحقیقت فلسفۂ قرآن کے اعتبار سے نہایت اہم اور بنیادی موضوع ہے جس سے مغربی فکر کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے آج کے اکثر و بیشتر مسلمان بلکہ بڑے بڑے سکالر اور مفکرین' حتیٰ کہ جو لوگ activist ہیں' دینی میدان کے اندر کام کر رہے ہیں' احیائے اسلام کی جدوجہد کر رہے ہیں یا سیاسی میدان میں اسلام کی برتری کے لئے کوشاں ہیں' وہ بھی اس حقیقت سے بہت حد تک ناواقف رہ گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان درحقیقت صرف حیوان نہیں ہے بلکہ اس کے وجود کا ایک مستقل حصّہ اور بھی ہے۔ یہ ایک Composite Being ہے' مرکب وجود کا حامل ہے۔ ہر انسان میں ایک مکمل حیوان بھی موجود ہے' لیکن صرف حیوان نہیں ؎

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

کچھ اور حقیقت بھی ہے اور وہ اس کا Spiritual Being اس کی روحانی حقیقت' اس کا روحانی وجود ہے۔ اس روح کا مسکن یہ "قلب" ہے۔ جس طرح سے ہمارے حیوانی وجود کے Sources of Knowledge ہیں اسی طرح یہ روح دیکھتی بھی ہے' لیکن اس آنکھ کے ذریعہ نہیں۔ یہ روح سنتی ہے' لیکن اس کان کے ذریعے سے نہیں۔ اس روح کی اپنی ایک عقل ہے' اس کے اپنے اندر ایک تفقہ ہے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے ﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾ (الحج : ۴۶) "آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔ ابوجہل کی یہ آنکھیں اندھی نہیں تھیں' ابولہب کی آنکھیں تو بڑی بڑی تھیں' وہ سرخ و

سفید رنگت، شعلہ رُو انسان تھا' اس کا دل اندھا تھا۔ معلوم یہ ہوا آنکھ دیکھ رہی ہے دل نہیں دیکھ رہا' روح نہیں دیکھ رہی' روح اندھی ہو چکی ہے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ ﴿ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ﴾ (الاعراف : ۱۷۸) دل تو ہے تفقہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا دل کا ایک Function تفقہ بھی ہے۔ يَعْقِلُونَ کا لفظ بھی آیا ہے ﴿ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا ﴾ "ان کے دل ہوتے جن سے کہ یہ تعقل کرتے۔"

گویا کہ انسان میں دو عقلیں جمع ہیں۔ ایک عقل حیوانی ہے اور ایک عقل روحانی ہے۔ عقل حیوانی کا تعلق اس دماغ سے ہے' اس Brain کے کمپیوٹر سے ہے اور عقل روحانی کا تعلق قلب سے ہے۔ میں اس چیز کو چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کے سامنے واضح کر دوں۔ یہ جو ہمارا عقلی علم ہے' یہ حیوانی علم سے صرف ایک درجہ میں بلند تر ہے۔ اس میں کمیت کے اعتبار سے (Quantitative) فرق ہے' نوعیت کے اعتبار سے (Qualitative) نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میری ایک observation تھی' میں نے ایک تجربہ کیا۔ ایک کیڑا ایک خاص سمت میں چل رہا تھا' میں نے اس کے آگے ایک تنکا رکھ دیا' اس نے اپنا رخ تبدیل کر لیا' اس کا مطلب ہے feeling اس میں بھی ہے۔ اور feel کر کے Sense Perception کے بعد اس نے ایک فیصلہ کیا کہ آگے ایک رکاوٹ ہے' لہٰذا مجھے اپنا رُخ تبدیل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے رخ بدل لیا۔ میں نے پھر اس کے آگے تنکا رکھ دیا۔ اس نے پھر اپنا رخ تبدیل کیا۔ چار پانچ مرتبہ کے بعد آخر اس نے اس تنکے کو اوپر سے عبور کر لیا۔ معلوم ہوا کہ اس نے سوچا ہے' غور کیا ہے۔ اس کی Sense Perception مکمل ہے۔ جبھی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ رکاوٹ میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی' اب مجھے اسے عبور کرنا ہے۔ اس کے لئے کسی طرح اس سے بچنا ممکن نہیں رہا تھا' لہٰذا وہ اس کے اوپر سے گزرا ہے۔ یہی تو ہے انسانی علم۔ یوں سمجھئے کہ اس کا کمپیوٹر چھوٹا سا ہے' ہمارا کمپیوٹر بہت بڑا ہے' Super Computer ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے' حیوانی علم میں اور انسانی علم میں۔ نوعیت کے اعتبار سے اگر کوئی شے یکسر مختلف ہے تو وہ علم بالقلب ہے۔ یہ علم بالقلب یا علم بالروح وہ شے ہے جسے آج کی دنیا E.S.P کے نام سے تسلیم کر رہی ہے' یعنی "Extra sensory Perception"۔ کسی زمانے میں اس کے لئے الفاظ بڑے

مبہم تھے جو ہم استعمال کرتے تھے' مثلاً "وجدان" (intution)۔ یعنی ایک چیز تو وہ ہے جو مجھے معلوم ہے کہ اس source سے معلوم ہوئی۔ کسی نے مجھے بتایا' میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا' یا ایک اور خبر آئی کسی اور جگہ سے' میں نے دونوں کو compare کیا۔ جو خبر زیادہ صحیح معلوم ہوئی' میں نے اسے تسلیم کر لیا۔ یہ تو وہ علم ہے جو میرے معلوم ذرائع سے حاصل ہوا۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچانک ایک خیال دل میں آتا ہے' ہم کہتے ہیں کہ بھئی مجھے کچھ وجدانی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ آخر یہ الفاظ جو ہماری زبان کے وضع ہوئے تو ہمارے احساس کی بناء پر ہوئے ہیں۔ چنانچہ اکثر یہ تجربہ ہوتا ہے اور ہمیں وجدانی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ معاملہ یوں نہیں یوں ہے' اگرچہ رپورٹ مختلف ہے' اخبار مختلف ہیں۔ باتیں جو آ رہی ہیں' وہ مجھے کسی اور طرف لے جا رہی ہیں لیکن میرا وجدان کہتا ہے کہ بات یوں نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ آج بہت بڑا میدان بن چکا ہے سائنٹیفک ریسرچ کا۔ یہی Extra Sensory Perception علم بالروح یا علم بالقلب' درحقیقت آج مذہب کا اصل میدان ہے۔

جہاں تک طبعی علوم کا تعلق ہے وہ انسان کی مشترک متاع ہے۔ یہ علم تو حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کے ساتھ ہی دے دیا گیا بایں معنی کہ اس کا Mechanism Apparatus پورے کا پورا آدم کی شخصیت میں ودیعت کر دیا گیا کہ اس کو دیکھو' سنو' نتیجہ نکالو' memory میں اس کو feed کر دو' پھر کچھ دیکھو گے' پھر refer کرنا اور پھر نتیجہ نکالنا۔ یوں علم آگے بڑھے گا' اس علم کو قلم کے ذریعہ قلمبند کرنا تاکہ اگلی نسل کو منتقل ہو سکے۔ یہ علم اس طور سے Observation سے حاصل ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ یہ Basic Faculties آدمؑ کو دے دی گئیں۔ یہ کمپیوٹر بھی دے دیا گیا اور یہ Extra Sensory Perception بھی دے دیا گیا۔ اب اسی کی exfoliation ہو رہی ہے۔ جیسے کہ ایک گٹھلی کے اندر پورا آم کا درخت موجود ہے۔ یہ درخت اسی گٹھلی میں سے نکلتا ہے' اسی میں سے برآمد ہوتا ہے۔ in miniature وہ پورا آم کا درخت اس گٹھلی میں ہے۔ حضرت آم کو گویا کہ یہ سارا علم دے دیا گیا' تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی exfoliation ہوئی ہے۔ وہ علم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

آج یہ علم کہاں تک پہنچ گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

یہ علم کہاں سے کہاں تک انسان کو لے گیا ہے اور یہی علم ہے جو خلافت کی بنیاد ہے۔

قوموں کے عروج کی بنیاد : سائنس اور ٹیکنالوجی

اسی حقیقت سے میرا ایک دیرینہ مسئلہ حل ہوا۔ ایک حدیث ہے، مسلم شریف کی روایت ہے، لہٰذا اس کی سند پر کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ راوی حضرت عمرؓ ہیں، فقہائے صحابہ میں سے ہیں، بڑے ذی شعور، ذی فہم، لہٰذا اس اعتبار سے بھی اس حدیث کا پایہ بہت بلند ہے۔ متن یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ)) "اللہ تعالیٰ اب اس کتاب (قرآن) کی بدولت قوموں کو اٹھائے گا، بلند کرے گا، بام عروج پر پہنچائے گا اور اسی کو ترک کرنے کی بناء پر انہیں گرا دے گا، ذلیل و خوار کر دے گا"۔ یہ حدیث ہے، حضور ﷺ کا فرمان ہے، لہٰذا ہمارے سر آنکھوں پر، سمجھ میں آئے تب بھی، نہ سمجھ میں آئے تب بھی، ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، ھُوَالصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ۔ لیکن یہ کہ دل میں تو خلش تھی کہ مغربی اقوام کو اتنا ترقع حاصل ہوا، اتنی ترقی انہوں نے کی۔ دنیا پر غالب تھے، ان کی تہذیب کا سکہ اب بھی رواں ہے، اگرچہ بظاہر وہ نوآبادیاتی دَور ختم ہو چکا ہے، لیکن حقیقت میں کسی دوسری شکل میں پورا کا پورا ان کا تسلط موجود ہے۔ انہوں نے جکڑا ہوا ہے پوری نوع انسانی کو۔ New World Order یا جو Jew World Order ہے، یہ سب کچھ آخر کس بناء پر ہے۔ حدیث تو کہہ رہی ہے کہ اس کتاب کی وجہ سے لوگوں کو عروج نصیب ہو گا۔ قومیں ابھریں گی اس کتاب کی بنا پر، گریں گی اس کتاب کی بنا پر۔ گویا کہ یہ اقوام کی قسمتوں کی میزان ہے۔ ایک طرف حدیث کے یہ الفاظ، دوسری طرف مشاہدہ یہ ہے کہ غلبہ دشمنانِ دین کو حاصل ہے، تو ایک خلجان رہا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ انہوں نے بھی درخواست کی تھی ﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی﴾ "پروردگار مجھے دکھا کیسے زندہ کرے گا تو مُردوں کو" ﴿قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ﴾ ـــــ اللہ نے فرمایا : کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا : کیوں نہیں،

ایمان تو ہے' مانتا ہوں لیکن ذرا دل کا اطمینان میں چاہتا ہوں' کوئی خلجان نہ رہ جائے' پوری طرح دل ٹھک جائے۔ تو اس درجہ میں اگر کبھی ہمارے دل میں بھی کوئی پیاس پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں' بلکہ یہ کیفیت علم کے بڑھنے کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ علامہ اقبال کے خطبات Reconstruction of Religious Thought in Islam میں مجھے اس کا جواب ملا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مغربی تہذیب (Western Culture) کا Inner Core خالص قرآنی ہے۔ اس لئے کہ وہ ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولاً ﴾ کو بھرپور طریقہ پر بروئے کار لائے۔ قرآن نے جس علم کو خلافت کی بنیاد قرار دیا ہے اس علم کو انہوں نے persue کیا' اس میں ارتقاء کیا' اس میں ترقی کی' اس کو پروان چڑھایا۔ یہ علم بھی درحقیقت ہے تو اسی علم کا ایک حصہ جس کو قرآن مجید اس اہتمام سے خلافت انسانی کی اصل اساس قرار دے رہا ہے' یعنی علم الاسماء۔ اور اس علم الاسماء میں اشیاء کے خواص (Properties of the matter) اور طبعی قوانین (Physical Laws) یا طبعی تبدیلیوں اور کیمیائی تبدیلیوں کے قوانین ہیں۔ آخر یہی چیزیں ہیں کہ جن کو انسان نے دریافت کیا اور ان دریافتوں کے نتیجہ میں جو بھی سائنٹیفک ارتقاء ہوا' ٹیکنالوجی بڑھتی چلی گئی' تو یہ اسی قانون ربانی پر عمل کا ظہور ہے۔ باقی ان کی تہذیب میں جو چیزیں آسمانی ہدایت کے منافی آ گئی ہیں' اضافی آ گئی ہیں' ان کو اس وقت اپنے ذہن سے خارج کر دیجئے۔ لیکن یہ ترقی' یہ غلبہ انہیں اگر ہوا ہے تو یہ اسی علم الاسماء کی ترویج و ترقی میں جس طریقہ سے کہ انہوں نے محنت کی ہے اسی کے نتیجہ میں ہوا اور وہی درحقیقت خلافت ارضی کی بنیاد ہے۔

علم بالقلب کی مختلف صورتیں

دوسرا علم جیسا کہ میں عرض کر رہا تھا کہ علم بالقلب ہے۔ اس علم بالقلب یا علم بالروح میں سے عام انسانوں کو بھی حصہ ملتا ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ میرے دل میں کوئی بات آ گئی' یعنی وجدان یا Extra Sensory Perception۔ اسی کے لئے اصطلاحات ہیں الہام' القاء' کشف' رویائے صادقہ' ان چیزوں کا لوگوں کو تجربہ ہوتا ہے۔ کوئی انسان ایک واقعہ خواب میں دیکھتا ہے' چند دنوں بعد وہ واقعہ جوں کا توں ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے' حضور ﷺ پر جس چیز سے وحی کا

سلسلہ شروع ہوا وہ سچے خواب "رویائے صادقہ" تھے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے وہ جیسے صبح نمودار ہو جاتی ہے' بالکل اسی طرح وہ واقعات ظہور پذیر ہو جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی روح مبارکہ کا ایک رابطہ قائم ہو گیا اس غیر مرئی عالم کے ساتھ' عالم امر کے ساتھ۔ عالم خلق سے بلند تر جو عالم ہے اس کے ساتھ رابطہ استوار ہو گیا۔ یہ چیزیں ہیں جن کو ہمارے ہاں کشف' الہام' رویائے صادقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کی بلند ترین شکل ہے "وحی"۔ اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق قرآن مجید میں شہد کی مکھی پر بھی ہوا ہے ﴿ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ یعنی جو جبلی ہدایت اس میں اللہ نے رکھ دی ہے کہ وہ پھولوں کا رس چوس کر شہد تیار کرے۔ اور اس طرح شہد کی پروڈکشن کا جو بھی اس کے اندر Mechanism رکھ دیا ہے' شہد کی تیاری کا یہ طریقہ کار اسے گویا کہ وحی کیا گیا ہے۔ نیز وحی غیر انبیاء کو بھی ہوتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ نے وحی کی کہ بالکل مت گھبراؤ' ہم تمہارے اس بچے کو اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ اس کو کسی صندوق میں ڈالو اور پھر صندوق کو دریا کے سپرد کر دو' حالانکہ وہ نبی نہیں ہیں۔ وحی کی یہ قسم درحقیقت یوں سمجھئے کہ الہام' القاء' کشف' رویاء' تحدیث ہی کی ایک شکل تھی۔ تحدیث یہ ہے کہ کوئی بات آپ کے دل میں آ گئی۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں ((نَفَخَ رَبِّیْ فِیْ رَوْعِیْ)) "میرے رب نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی"۔ یہ چیزیں درحقیقت وحی سے کمتر درجے کی ہیں۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ وحی کی یہ قسم بند نہیں ہوئی ہے۔ یہ وحی تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ اس کی بلند ترین شکل "وحی نبوت" ہے جو کہ فرشتہ کے ذریعے سے قلب کے اوپر نازل ہوتی تھی۔ تو یہ ہے درحقیقت علم کا دوسرا بڑا ذریعہ۔

اب ذرا آگے چلئے' میں نے ان علوم کے دو حصے قائم کئے ہیں' ایک جو انسانی علم ہے' جس میں کہ علم بالحواس اور علم بالعقل' ان دونوں کے مجموعے سے انسان علم حاصل کر رہا ہے۔ اس علم کا سب سے بڑا مظہر طبعی علوم (Physical Sciences) یا سائنس اور ٹیکنالوجی ہے اور اس کی بھی بے شمار شاخیں ہیں' کبھی فزکس صرف ایک مضمون کا نام تھا اب اس کی سینکڑوں شاخیں ہیں اور ہر شاخ مستقل مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح Zoology کبھی ایک علم تھا' اب نہ معلوم اس کی کتنی شاخیں ہیں۔ اس کی

وسعت' اس کا پھیلاؤ' پھر اس کی بلندی ع "عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں" کے مصداق کہاں تک پہنچ گیا ہے۔

ایک علم یہ ہے' یہ جاری ہے' چلتا رہے گا' لیکن اسی انسانی علم کا ایک دوسرا گوشہ بھی ہے۔ انسان نے جہاں یہ علم الاشیاء حاصل کیا' bit by bit قدم بہ قدم' کتنے ہزار سال میں آج ہم یہاں پہنچے ہیں۔ لیکن انسان نے ہمیشہ اپنے اندر ایک خواہش محسوس کی کہ مجھے حقیقتِ کلی کا علم بھی ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ کائنات کیا ہے' یہ گورکھ دھندا کیا ہے' یہ کب سے ہے' کب تک رہے گی۔ آیا یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی' آیا اس کی کوئی ابتداء اور انتہا بھی ہے یا نہیں۔ کیا یہ خود بخود بن گئی ہے؟ یا اِس کو کسی نے بنایا ہے؟ اگر کوئی بنانے والا ہے تو وہ کون ہے؟ اس کی ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ پھر یہ کہ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ یہ تو معلوم ہے کہ ہماری ولادت ہوئی آج سے ۵۰ سال' ۶۰ سال پہلے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے پہلے نو مہینے ہم نے اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بھی گزارے ہیں۔ تو کیا بس یہی ہمارا آغاز ہے۔ اور کیا موت ہمارا خاتمہ ہے یا اس کے بعد بھی کچھ ہے؟ تو اگر ہمارا وجود بس یہی کچھ ہے ؎

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

تو یہ کیا زندگی ہوئی۔ اسی کو ذرا اور انداز میں فیض نے کہا ہے کہ ؎

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

لیکن کیا زندگی بس اتنی ہی ہے؟ یہ سوالات ہیں جو انسان کو پریشان کرتے رہے۔ پھر خیر کیا ہے' شر کیا ہے' اب یہ کوئی Physical Object تو نہیں ہے جس کا علم سماعت و بصارت سے حاصل ہو جائے۔ یہ Ethical Values کیا ہیں' Moral Values کیا ہیں؟ یہ حقیقت ہے یا سراب ہے جسے ہم نے خواہ مخواہ گھڑ لیا ہے کہ سچ بولنا اچھا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہوتا ہے۔ یہ اخلاقی اقدار مستقل اور حقیقی ہیں یا عارضی (Arbitrary) ہیں' یا صرف ہماری قوتِ واہمہ نے ان کو ایک شکل دی ہے؟ پھر یہ کہ انسان کیا ہے؟ زندگی آیا صرف یہی چالیس' پچاس سال ہے یا اس سے آگے بھی ہے؟ کیا

انسان نرا حیوان ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی حقیقت ہے؟

یہ سارے سوال ہیں کہ جن سے فلاسفہ بحث کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا انسانی علم کا دوسرا گوشہ ہے ان فلسفیانہ سوالات کی پیاس Philosophical Quest ایک جستجو' ایک تلاش' حقیقتِ کلی کو جاننے کی خواہش' مکتی کا راستہ کونسا ہے' نجات (Salvation) کا راستہ کونسا ہے۔ گوتم بدھ نے مشاہدہ کیا دکھ کا' وہ کہتا ہے "سروم دکھم" ہر جگہ دکھ ہے' کرب ہے' ہر جگہ suffering ہے۔ اس سے نجات کی کوئی شکل ہے کہ نہیں؟ اور آپ کو معلوم ہے کہ عین عالم شباب یعنی تیس برس کی عمر میں گوتم بدھ اپنے شیر خوار بچے اور جوان بیوی کو سوتا ہوا چھوڑ کر جنگل میں نکل گیا' حالانکہ وہ کپل وستو کا شہزادہ ولی عہد تھا' لیکن اس نے کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے' کہاں کہاں کے رشیوں منیوں کی خدمت میں رہا ہے اور ان کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے؟ یہ ایک پیاس ہے۔ انسان حقیقت کلی کو جاننا چاہتا ہے۔

تو گویا کہ انسانی علم کے بھی دو گوشے ہیں۔ ایک طبیعیات (Physical Science) کا علم ہے' جو رفتہ رفتہ حاصل ہوا ہے اور آج انسان جہاں تک پہنچ گیا ہے اس کا کچھ اندازہ تو ہمیں ہے لیکن ابھی کہاں تک پہنچے گا ہمیں کچھ اندازہ نہیں۔ اسی طرح انسان نے حقیقت کلی کی دریافت کی کوششیں بھی کیں۔ وہ چاہے ارسطو ہو' افلاطون ہو' سقراط ہو یا گوتم بدھ ہو' مہاویر ہو' کنفیوشس ہو' تاؤ ہو' ہر جگہ پر جہاں بھی انسانی تہذیب موجود رہی ہے ایسے لوگ پائے گئے۔ فلسفہ کے ان حقائق کی تلاش سے متعلق اس علم کے مختلف شعبے ہیں۔ ایک شعبہ جو اصل فلسفہ ہے مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کہلاتا ہے' سارے کے سارے عالم سے' عالمِ مادی سے باہر (beyond) کے حقائق کو تلاش کرنے کا انسان میں جذبہ رہا ہے' حالانکہ اس کو معلوم تھا کہ میرے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں جو مادے کے پار (beyond) دیکھ سکیں' میرے پاس وہ کان نہیں ہیں جو اس مادے سے آگے کی آوازیں سن سکیں۔ لیکن مجھے بڑا خوبصورت جملہ یاد آیا کنفیوشس کا' وہ کہتا ہے حکمت کا نقطہ آغاز یہ ہے کہ یہاں بہت سی حقیقتیں ایسی ہیں جو زیادہ حقیقی ہیں ان کے مقابلے میں کہ جو ہم سنتے اور دیکھتے ہیں۔ اس کا جملہ تو یہ ہے

"There is nothing more certain than which cannot be heard, and there is nothing more real than

which cannot be seen"

یعنی ان کانوں اور ان آنکھوں سے حاصل ہونے والے علم سے بڑی حقیقتیں تو وہ ہیں جو ان کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ انسان نے ان حقیقتوں کی تلاش بھی کی ہے۔ چنانچہ Meta physics کا علم وجود میں آیا ہے' پھر اسی سے عمرانی علوم عمرانیات (Sociology) سیاسیات (Political Science) اور معاشیات (Economics) کے علوم کے ذریعے انسانی زندگی اور اس کے مسائل کا حل تلاش کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ان علوم کا تعلق بھی طبعی علوم (Physical Science) سے نہیں ہے۔ نفسیات (Psychology) کبھی فلسفہ کی شاخ تھی لیکن آج اس کا تعلق زیادہ تر ہو چکا ہے Physiology سے' لہٰذا اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ لیکن یہ نوٹ کر لیجئے کہ یہ دو شعبے ہیں۔ علم کا ایک شعبہ ہے طبعی علوم (Physical Science) اسی سے Technology مراد ہے' اور یہ علم خلافت کی بنیاد ہے' یہ دراصل علم الاسماء کا ظہور ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو potentially ودیعت کر دیا گیا تھا۔ دوسرا ہے کلی حقائق کی دریافت کی کوشش۔ انسان نے چھلانگیں لگائی ہیں حقیقت کبریٰ کو جاننے کے لئے' لہٰذا مختلف نظریات وجود میں آئے' یہاں ان سے بحث نہیں ہے۔ ہمارا موضوع ہے علم بالقلب کہ جس کا ایک گوشہ وہ علم ہے جو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوا' علم وحی کا ذریعہ انبیاء کرام تھے' جن کی تسلسل کے ساتھ Chain ملتی ہے۔ آخر آپ کو معلوم ہے دنیا میں یہودی بھی انہیں مانتے ہیں' عیسائی بھی مانتے ہیں' مسلمان بھی مانتے ہیں۔ جمع کر لیں تو دنیا کی پوری آبادی کا دو تہائی تو لازماً بن جائے گا جو اُن تمام انبیاء کو مانتے ہیں جن کو عام طور پر کہا جاتا ہے 'The Prophets of the Old Testament' ان سب کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک ذریعۂ علم ایسا ہے جو عام انسانوں کے پاس نہیں ہے۔ ہمارا براہ راست رابطہ ہے اُس ہستی کے ساتھ جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس سے ہمیں کچھ حقائق ملے ہیں۔ دراصل وہ علم' علم بالقلب کی بلند ترین صورت ہے جو انبیاء کرام کو وحی کے ذریعہ سے ملا ہے۔ اس کے بھی دو حصے ہیں' جیسے میں عرض کر چکا ہوں' ایک اعتبار سے اس علم کے حصول کا ایک ابتدائی درجہ تو عام انسانوں کو بھی حاصل ہے لیکن صرف محفوظ وحی کہ جس میں نہ تو کسی شیطانی القاء کی آمیزش ہو سکے نہ نفسانی خیالات اس کے اندر دخل اندازی کر سکیں' انبیاء ہی کے پاس آتی ہے۔

فلسفیانہ سوالات کے جوابات کا حتمی ذریعہ : وحی

وحی سے انسانوں کو دو چیزیں حاصل ہوئیں' حکمت اور احکام۔ وہی جو فلسفہ کا موضوع ہے' اسی کے جوابات ہیں کہ جو وحی کے ذریعے دیئے گئے کہ یہ کائنات نہ ہمیشہ سے ہے نہ ہمیشہ رہے گی۔ البتہ ایک ذات ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ وہ ہمیشہ سے ہے' ہمیشہ رہے گی۔ وہ ذات تمام کمالات اور محاسن کی جامع ذات ہے "لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى" وہ تنہا ہے' اکیلی ہے' کوئی اس کا مدمقابل نہیں' کوئی اس جیسا نہیں' اُس کی کوئی مثل نہیں' کوئی مثال نہیں' کوئی مثیل نہیں' کوئی ضد نہیں' کوئی ند نہیں۔ اس نے جو کائنات بنائی ہے اس کی تخلیق کا نقطۂ عروج یا شاہکار یہ انسان ہے۔ قرآن کہتا ہے ﴿ خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ ﴾ (میں نے اس انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے) یہ اہتمام اور پھر یہ فرمانِ خداوندی کہ : ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ﴾ "(بنی اسرائیل : ۷۰) "ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی"۔ دراصل اس کی مدح ہے جو قرآن کہہ رہا ہے۔ حدیث میں بھی الفاظ موجود ہیں ((اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ)) (اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے) اس انسانی کی زندگی صرف یہ نہیں ہے کہ جو چند دہائیوں پر مشتمل ہو' بلکہ بہت طویل ہے ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا نہ ناپ
جاوداں' پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی!

انسان کا وجود ابدی ہے۔ اس لئے کہ آخرت کے بعد' قیامت کے بعد جو فیصلے بھی ہوں گے ((اِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا)) کے مصداق ہوں گے۔ پھر جو جنت میں جائیں گے وہ بھی ابدی اور جو جہنم میں جائیں گے وہ بھی ابدی۔ اِلّا یہ کہ جن میں ایمان موجود ہو' لیکن اعمال میں کوتاہی ہوئی ہو' وہ اپنی سزا پاکر جنت میں داخل ہو سکیں گے' یہ ہمارے عقیدہ کا ایک علیحدہ issue ہے۔ لیکن یہ کہ وہ زندگی ابدی ہے۔ یہاں آنے سے پہلے ہم ایک زندگی گزار آئے ہیں جب ہم ارواح کی شکل میں تھے۔ جب ہمارا جسمانی وجود (Physical Body) نہیں تھا' لشکروں کی شکل میں تمام ارواح پیدا کردی گئی تھیں۔

اب رحم مادر میں جو بچہ تیار ہوتا ہے' اس کے ساتھ اس کی وہ روح جو ازل میں پیدا کی گئی تھی وہ شامل کی جاتی ہے۔ گویا انسان کا وجود جسم اور روح کا مرکب ہے۔ زندگی صرف یہ نہیں ہے' اصل زندگی آخرت کی ہے۔ ﴿ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (اصل زندگی تو آخرت کی ہے' کاش یہ جانتے) یہ دنیوی حیات تو کتاب زندگی کا دیباچہ ہے' مقدمہ ہے۔ اصل کتابِ زندگی کھلے گی موت کے بعد۔ اس دنیا کی زندگی تو درحقیقت دارالامتحان ہے۔ ﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ یہ تو ایک امتحانی وقفہ ہے۔ ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اس امتحان کے نتائج آخرت میں نکلیں گے۔ اس Testing ہی کے لئے جہاں اللہ نے تمہیں سماعت دی' بصارت دی' عقل دی' مزید برآں نیکی و بدی کی تمیز ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا ہے' وہاں اس پر مستزاد اس کی رحمت کا یہ مظہر ہوا کہ اس نے کچھ انسانوں کو چن کر ان کے پاس وحی کے ذریعے سے اپنا پیغام بھیجا۔ کوئی نبی نہ آتا تب بھی ہم اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقل کی بنیاد پر اپنے اعمال کے ذمہ دار (responsible) اور مسئول (accountable) تھے۔ لیکن اللہ نے مزید رحم فرمایا اور انبیاء مبعوث فرمائے۔ نبوت اللہ کی رحمت کا مظہر ہے۔ یہ نبوت جب نقطۂ عروج پر پہنچی تو "رحمۃٌ لّلعالمین" کی شکل اختیار کر گئی۔ اللہ کا ایک پسندیدہ بندہ' اس کے پاس وحی آئی' پھر اس نے اپنے عمل کے ذریعہ سے ایک نمونہ پیش کیا ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ گویا کہ وہ امتحان آسان بنا دیا گیا۔ یہ رحمت خداوندی کا مظہر ہے' ورنہ نبوت و رسالت نہ ہوتی تب بھی تم اس دارالامتحان میں جواب دہ تھے۔ یہ تمام چیزیں جن کے مجموعے کو ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقت کلی ہے' اس کا نام ایمان ہے۔

اس وحی کے ذریعہ سے دوسری چیز جو ہمیں معلوم ہوئی وہ اعمال ہیں کہ یہ کرو' یہ مت کرو' یہ حرام ہے' ادھر مت جانا' یہ جائز ہے' یہ فرض ہے' یہ لازماً کرنا ہے' یہ مستحب ہے' کرنا چاہو تو کر لو' لازمی نہیں' یہ اعمال ہمیں وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے۔ پھر یہ کہ ان کی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں کہ یہ کس لئے دیئے گئے۔ یہ تمہیں کسی مشقت میں

ڈالنے کے لئے نہیں دیئے گئے۔ تمہارے اُس امتحان میں کامیابی کے یہی ذرائع بنیں گے۔ نماز پڑھو تاکہ ہم تمہیں یاد رہیں اور جو تمہارا نفس (Animal being) ہے تم اس پر کنٹرول حاصل کر سکو۔ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تمہاری خودی اتنی قوی ہو جائے کہ وہ اپنے حیوانی وجود کے اوپر قابو یافتہ ہو سکے' جس کی بہترین مثال گھوڑا اور گھڑسوار کی ہے۔ اگر گھڑسوار کمزور ہے تو گھوڑے کے رحم و کرم پر ہے' جس کھائی میں چاہے گا پھینک دے گا۔ لیکن گھڑسوار مضبوط ہے' جم کر بیٹھا ہوا ہے تو اب یہ گھوڑا اس کی خدمت میں ہے' جہاں وہ چاہے گا اس کو لے کر جائے گا۔ اسی طرح تمہارا یہ حیوانی وجود کہیں تم پر غالب آگیا' یہ نفس امارہ اگر تم پر قابو یافتہ ہو گیا' تمہاری id اور libido اگر تم پر چھا گئی تو تمہیں برباد کر کے رکھ دے گی۔ تمہیں اس قابل ہونا چاہیئے کہ تمہاری خودی' Self' تمہاری Ego (یہ فرائیڈ کی اصطلاحات ہیں) اتنی مضبوط ہو کہ تم اپنے اس id اور libido کے اوپر قابو یافتہ ہو۔ اس کے لئے روزہ فرض کیا گیا۔ لہٰذا جو چیز بھی دی گئی ہے' جو حکم بھی دیا گیا ہے اس کی ایک حکمت ہے۔ یہی درحقیقت ہمارے علم کا وہ دوسرا گوشہ ہے۔ پھر ان میں انفرادی اعمال بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ پھر یہ کہ اس وقت نوعِ انسانی کے لئے اجتماعیات (Social Order) کا سب سے پیچیدہ مسئلہ اقتصادیات کا مسئلہ ہے اور چونکہ آج ہم تاریخ کے اس اہم موڑ پر ہیں' جب نوعِ انسانی ایک بڑے موڑ سے گزر رہی ہے' کیونکہ اس صدی کے آغاز میں جو نیا تجربہ ہوا تھا مارکسزم کا وہ تجربہ فیل ہو گیا۔ اس میں اندرونی طور پر ایسے خلا (Inbuilt weaknesses) تھے جس کے نتیجہ میں وہ کامیاب نہیں ہوا اور اسی وجہ سے آج مغرب میں بڑا احساس برتری ہے کہ (Euphoria) ثابت ہو گیا کہ ہمارا نظریہ صحیح ہے' ہمارا نظام صحیح ہے۔ اور ان کا یہ Euphoria ہی ہے جو نیو ورلڈ آرڈر کی شکل اختیار کر رہا ہے' لیکن یہ کہ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور عام طور پر یہ بات کہی جا رہی ہے اندر سے سرمایہ داری نظام بھی ٹوٹ پھوٹ چکا ہے' وہاں کے حالات بھی "سب اچھا نہیں ہے" کے عکاس ہیں۔ بلکہ اب وہاں نئے سے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ اس وقت ان کا سب سے بڑا مسئلہ معاشی نظام کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے اس نظام میں انہوں نے آسمانی وحی کی حرام کردہ چیزوں کو شامل کر لیا' ورنہ باقی تمام اصول جن کی بناء پر سرمایہ داری کو کم از کم کمیونزم پر برتری اور

فوقیت حاصل ہوئی ہے' آسمانی ہدایت سے قریب تر ہیں۔ مثلاً Market Ecomomy کے اصول کہ کوئی کنٹرول نہیں ہونا چاہئے۔ Hire and Fire کا اصول ہونا چاہیئے۔ انسان جب تک آجر کو مطمئن رکھتے ہوئے کام کرتا ہے تو وہ اسے برقرار رکھے' اگر وہ کام ٹھیک نہیں کر رہا تو اسے حق ہے کہ نکال دے۔ اسی طرح معیشت میں ذاتی ملکیت کا تصور بھی وحی کی رہنمائی کے قریب ترین ہے' اس سے Personal Incentive پیدا ہوتا ہے اور در حقیقت کمیونزم کی ناکامی کا سبب یہی ہے کہ اس میں شخصی ملکیت نہیں ہے تو incentive ختم ہو گیا۔ آدمی سوچتا ہے کہ میں زیادہ کام کیوں کروں؟ کیوں محنت زیادہ کروں' مجھے تو معیّن تنخواہ ملنی ہے' جتنی جان چاہے مارلوں یا کام چوری کروں وہ تنخواہ تو مجھے مل ہی جائے گی۔ اس لئے محنت کرنے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ ان تمام ترغیبات کو اسلام نے قائم رکھا' البتہ اس وحی آسمانی نے بعض اشیاء کو معین کر کے ممنوع (حرام) قرار دے دیا' کیونکہ یہ محنت سے گریز سکھاتی ہیں۔ مثلاً یہ جوا جو ہے در حقیقت خمر کی بہن ہے۔ جیسے شراب کے ذریعہ سے انسان حقائق سے گریز کرتا ہے۔ ؎

میں میکدے کی راہ سے ہو کر گزر گیا
ورنہ سفر حیات کا بے حد طویل تھا

اسی طرح جوا بھی محنت سے گریز کی راہ ہے اور محنت کی بجائے داؤ لگا کر اور چانس کے ذریعہ سے کچھ کمانے کی کوشش ہے۔ اصل شے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے وہ ہے سود۔ گویا معیشت سے ایک چیز یعنی سود نکال دو' باقی اپنے تمام اصول برقرار رکھو' کیونکہ یہ سود وہ شے ہے کہ جس کے باعث ایک طرف دولت کے ڈھیروں انبار بنتے چلے جائیں گے' دوسری طرف فقر ہو گا' احتیاج ہو گی۔ امریکہ کی سرزمین میں بھی انسان کم ترین سطح پر زندگی گزار رہا ہے' یہ فرق و تفاوت سود کا لازمی نتیجہ ہو گا۔ اس وقت میرا موضوع معاشی نظام نہیں ہے' لیکن یہ کہ آسمانی ہدایت نے صرف چند مقامات پر Red Signals قائم کر دیئے ہیں کہ یہ Danger Zone ہے' اس سے آگے مت بڑھنا۔ بس اس کے بعد انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے کہ اب غور و فکر کرو' سوچ و بچار کرو۔ یہ ہے وہ دوسری چیز کہ جو ہمیں وحی سے ملی ہے۔ (جاری ہے)

امام غزالیؒ اور تزکیۂ نفس (۲)

ڈاکٹر محمد امین
سینئر مدیر اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

وحدت و کثرتِ نفس

غزالی وحدتِ نفس کے قائل تھے اور قرآن حکیم میں جن تین نفوس (اَمَّارَۃٌ بالسُّوْءِ، لَوَّامَۃٌ اور مُطْمَئِنَّۃٌ) کا ذکر آیا ہے وہ ان کے نزدیک نفس کی مختلف صفات ہیں، نہ کہ اس سے نفس کا تعدد ثابت ہوتا ہے۔ معراج السالکین میں ایک جگہ کہتے ہیں "نفس کے یہ جو کئی نام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قوائے نفس بہت سے ہیں، جبکہ نفس ایک ہی ہے۔ ناموں کا تعلق ان قویٰ و آلات سے ہے نہ کہ نفس سے، مثلاً دیکھنا، سننا، چکھنا، چھونا وغیرہ صرف نفس کا کام ہے، گو ہم اسے عام گفتگو میں آنکھوں، کانوں، زبان اور ہاتھوں سے منسوب کر دیتے ہیں"۔ (۱۸)

تمام قویٰ اسی اصل واحد کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ اصل واحد نفس ہے۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں کہ "ہر جاندار ادراک اور ارادی حرکت سے ممیز ہوتا ہے۔ اور گو بظاہر یہ دو قوتیں ہیں اور باہم مل کر کام کرتی ہیں کہ جاندار کو پہلے ادراک حاصل ہوتا ہے اور پھر قوتِ نزوعیہ بیدار ہو کر اعضاءِ جسم کو کسی کام کے مثبت یا منفی انداز میں کرنے پر اُکساتی ہے، لیکن ان کی اصل (نفس) ایک ہی ہے"۔ (۱۹)

نفس قدیم ہے یا حادث؟

اس بارے میں اہل علم کی تین آراء ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس بارے میں خاموشی اختیار کرنی چاہیئے، کیونکہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس بارے میں وضاحت سے کلام نہیں کیا تو اُمت کے لئے اولیٰ ہے کہ وہ اس لایحل مسئلے میں اپنے آپ کو نہ تھکائے اور اس پر خاموشی اختیار کرے۔ دوسرے یہ کہ نفس ازلی ہے اور حادث نہیں ہے۔ یہ رائے قدیم فلاسفہ میں سے سقراط اور افلاطون کی ہے اور مسلمان حکماء میں سے

ابو بکر رازی کی۔ تیسرے یہ کہ نفس حادث اور مخلوق ہے۔ یہ رائے ہندوؤں' عیسائیوں' یونانیوں میں سے ارسطو اور اکثر مسلمان علماء و حکماء کی ہے۔ غزالی بھی ابنِ سینا کے تتبع میں نفس کو حادث مانتے ہیں (۲۰) اور خصوصاً قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ○ ﴾ (الحجر ۱۵ : ۲۹) یعنی "جب میں اسے صورتِ انسانیہ میں درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا"۔ یہاں جسم کے ایک خاص کمالِ مطلوب تک پہنچنے کے بعد اس میں نفخ روح' نفس کے حادث ہونے کی واضح دلیل ہے۔ علماء اسلام اس کے علاوہ بھی دیگر بہت سی آیات اور احادیث سے حدوثِ نفس پر استدلال کرتے ہیں۔ (۲۱)

رہا یہ سوال کہ نفس' بدن سے پہلے حادث ہوا یا بعد میں؟ تو اس بارے میں غزالی کی رائے یہ ہے کہ نفس بدن کے بعد حادث ہوا۔ بلکہ اُس وقت حادث ہوا جب بدن کمال کے ایک خاص معیار تک پہنچ گیا اور اس میں قبولِ نفس کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر نفس ایک بدنِ معین کے لئے مختص ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مادے کی ایک خاص استعداد ہوتی ہے' لہٰذا حدوثِ نفس کے لئے یہ کافی نہیں کہ اس کے لئے ایک خاص بدن ہو جس میں وہ حادث ہو' بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بدن کمال کے ایک خاص مرحلے تک پہنچے تاکہ اس میں قبولِ نفس کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ (۲۲)

نفس مادی ہے یا روحانی؟

امام غزالی نفس کی روحانیت کے قائل ہیں اور اس کے لئے ان کا استدلال یہ ہے کہ نفس محل معقولات ہے' قوتِ تجرید رکھتا ہے' اس میں بلاواسطہ ادراکِ ذات کی صلاحیت ہے' یہ بدن کے تابع نہیں' بدن تغیرپذیر ہے جبکہ نفس ایسا نہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نفس کی جو خصوصیات ہیں وہ بدن کی خصوصیات ہو ہی نہیں سکتیں۔ نیز وہ اپنی اس رائے کے حق میں اخلاقی اور شرعی دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ (۲۳)

وہ کہتے ہیں کہ نفس نہ جسم ہے نہ عرض' نہ اس کے لئے حرکت تسلیم کی جاسکتی ہے نہ سکون اور نہ رنگ و ذائقہ اور طول و عرض' البتہ اس کے لئے علم' قدرت' حیاۃ اور ارادہ وغیرہ کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ افلاطون اور اپنے پیش رو مسلمان فلاسفہ ابنِ سینا

فارابی اور کندی کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ نفس ایک جوہر ہے قائم بذاتہٖ' جو متعلق بالبدن ہے اور یہ تعلق تصرف و تدبیر کا ہے نہ کہ حلول کا۔

بقاء و فناءِ نفس

موت کے وقت بدن کے ساتھ کیا نفس بھی فانی ہو جاتا ہے؟ اس بارے میں قدیم ادیان و فلاسفہ میں بھی اختلاف ہے۔ ارسطو فناءِ نفس جبکہ افلاطون خلودِ نفس کا قائل ہے۔ انہی کے تتبع میں مسلم حکماء میں سے الفارابی اور ابنِ رشد کا رجحان فناءِ نفس کی طرف جب کہ کندی' ابنِ سینا اور غزالی کا رجحان بقاءِ نفس کی طرف ہے۔ غزالی نے خلودِ نفس کے حق میں نہ صرف عقلی دلیلیں دی ہیں بلکہ ان کے نزدیک قرآن و سنت سے بھی اس نقطۂ نظر کا اثبات ہوتا ہے۔

اس بارے میں غزالی کے عقلی استدلال کا خلاصہ یہ ہے : (۲۴)

(۱) نفس بدن کا حصہ (جزءٌ لا یتجزی) نہیں' بلکہ وہ بدن سے الگ جوہر قائم بذاتہٖ ہے' لہٰذا جسم کے ساتھ فنا نہیں ہو سکتا۔

(۲) نفس میں فناء کی علت و صلاحیت موجود ہی نہیں۔

(۳) نفس چونکہ بسیط ہے جسم مرکب نہیں' لہٰذا اس میں قوتِ فساد موجود ہی نہیں۔

(۴) نفس کی طبیعت روحانی ہے مادی اور بدنی نہیں' کیونکہ وہ عالم امر سے ہے اور بدن کے ساتھ اس کا تعلق تدبیر و تصرف کا ہے۔

(۵) انسانی خواب اس امر کا ثبوت ہیں کہ نفس سوتے وقت بدن سے الگ ہو جاتا ہے اور عالمِ علوی سے مرتبط ہو جاتا ہے اور رؤیائے صادقہ کا سبب بنتا ہے۔

جہاں تک شرعی دلائل کا تعلق ہے تو غزالیؒ کئی قرآنی آیات' مثلاً :

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ... ﴾ (۲۵)

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ..... ﴾ (۲۶)

اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر کے بعد مقتولین بدر سے خطاب کیا تھا جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مردے ہیں؟ اس پر آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ تم سے بھی بہتر سنتے ہیں' لیکن جواب نہیں

دے سکتے۔(۲۷)

نفس کی ماہیت اور نوعیت پر غزالی کی آراء جان لینے کے بعد اب ہم اس بحث کے دوسرے مرحلے یعنی احوال نفس یا فعلیت نفس کے بارے میں غزالی کی آراء سے استفادہ کریں گے، لیکن یہ موضوع چونکہ بہت وسیع ہے لہٰذا ہم اس بحث کو تزکیۂ نفس یعنی تعمیر شخصیت اور علاج شخصیت کے قریب رکھنے کی کوشش کریں گے۔

○ تعمیر شخصیت

تعمیر شخصیت کے عنوان سے ہم یہاں اس امر پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ غزالی کے نزدیک انسانی شخصیت کیسے بنتی اور وجود میں آتی ہے اور کیوں کر اس میں حسن و قبح کے رنگ آتے ہیں اور یہ کہ متوازن شخصیت کیا ہوتی ہے؟

اس بحث کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ غزالی وقائع نفسیہ کو تین انواع میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک الحیاۃ النزوعیۃ یعنی نشاطِ حرکی (جبلتیں اور محرکات)' دوسرے الحیاۃ الوجدانیہ یعنی نشاطِ وجدانی (جذبات و میلانات) اور تیسرے الحیاۃ الادراکیہ' یعنی نشاطِ عقلی (عقل و ادراک)۔ نفسیاتی اصطلاح میں انہیں قوتِ محرکہ اور مدرکہ کہا جاسکتا ہے۔ ان تینوں فعلیتوں یا نشاطات کے نتیجے میں انسانی افعال وجود میں آتے ہیں۔ ان افعال کی تکرار سے عادتیں بنتی ہیں اور عادات کے نتیجے میں شخصیت کوئی ڈھب اختیار کرتی ہے۔

۱۔ نشاطِ حرکی:

نشاطِ حرکی میں جو چیز اہم ہے وہ محرکات و میلانات ہیں۔ محرکات کی اصل جبلتیں ہیں جن میں سرفہرست کھانے اور جنس کی جبلت ہے۔ (غزالی ان دو جبلتوں کو اپنے عہد کی اصطلاح کے مطابق قوۃ شہوۃ یا شہویہ کہتے ہیں)۔ میلانات میں اہم غلبہ' ملکیت اور مل کر رہنے کے میلانات ہیں۔ محرکات کی اہمیت یہ ہے کہ زندگی کی ساری رنگینی' بلکہ بقاء کا انحصار محرکات پر ہے اور ان کی عدم موجودگی میں زندگی کا استمرار ممکن ہی نہیں' مثلاً ایک مریض دیکھتا ہے کہ کھانا موجود ہے' عقلاً وہ جانتا ہے کہ کھانا اسے تقویت دے گا' اس کے ہاتھ موجود ہیں جو لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جاسکتے ہیں' لیکن وہ یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیتا ہے کہ "مجھے بھوک نہیں"۔ بلکہ صحت مند آدمی کو بھی اگر بھوک نہ لگے تو وہ

ڈھنگ سے کھانا نہیں کھائے گا"۔ (۲۸)

انواعِ محرکات :

آج کل محرکات اساسی اور ثانوی یا فطری اور مکتسب ہونے کے حوالے سے زیر بحث آتے ہیں۔ اساسی اور فطری محرکات وہ ہیں جنہیں انسان فطری اور موروثی طور پر اپنی پیدائش کے وقت ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے جس سے اصلاً غرض فرد اور اس کی نوع کی بقاء ہے۔ ثانوی یا مکتسب محرکات وہ ہیں جو انسان اس دنیا میں آکر علم، تجربے اور تربیت سے سیکھتا ہے، گو ان کی فطری اساس بھی موجود ہوتی ہے۔ اس تقسیم کی بجائے غزالی کے ہاں محرکات کی اپنی کئی تقسیمیں ہیں۔ انسانی طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے وہ انہیں بہیمیہ، سبعیہ، شیطانیہ اور رہبانیہ میں تقسیم کرتے ہیں۔ بہیمیہ سے مراد جانوروں جیسے میلانات ہیں، مثلاً جیسے معدے اور جنس کی بھوک مٹانا۔ اس سے جو استعدادات اور اخلاقی عادات بنتی ہیں وہ ہیں بے حیائی، خباثت، فضول خرچی، بخل، فحش گوئی، حرص و لالچ اور خوشامد وغیرہ۔ سبعیہ سے مراد درندوں جیسے میلانات ہیں، مثلاً بغض و عداوت وغیرہ۔ اس سے غصہ، غلبہ اور استحصال جیسی عادتیں بنتی ہیں۔ شیطانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جو بہیمیہ اور سبعیہ کے یکجا ہونے سے بنیں، جن سے حیلہ، مکر، فریب اور دغابازی جیسے اخلاق پروان چڑھتے ہیں۔ رہبانیہ سے مراد وہ میلانات ہیں جن کے مطابق انسان اپنے اندر الوہی صفات کا طلبگار بنے، جیسے کبر، فخر، مدح پسندی، حب جاہ اور حب بقاء و دوام اور اس کے ساتھ ہی حب علم و حکمت اور یقین۔ (۲۹)

غزالی کے نزدیک انسانی محرکات کی ایک تقسیم اس کی بقاء کے حوالے سے ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) میلانات فردیہ، جن پر انسانی بقاء کا انحصار ہے، یعنی طعام اور جنس اور اس سے متفرع ہونے والے دوسرے میلانات، جیسے حب دنیا، حب جاہ اور حب ملکیت (۲) میلانات اجتماعیہ، جیسے خاندان، قبیلہ اور معاشرہ میں مل جل کر رہنا۔ یہ میلانات بقاء فرد کے بنیادی میلان کے بعد دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ (۳) میلاناتِ عالیہ جن میں حب خیر، علم جمالیات اور دینی حقائق وغیرہ شامل ہیں جو زندگی میں حسن اور کمال کا لوازمہ ہیں۔ (۳۰)

محرکات کی ایک تقسیم غزالی نے ان کے اہداف و مقام کے لحاظ سے کی ہے اور

محرکات کو دو قسموں میں شمار کیا ہے۔ ایک وہ جو باعث امورِ دینیہ ہیں اور دوسرے وہ جو سبب "ھویٰ" ہیں۔ اس تقسیم کا باعث غزالی کا یہ نظریہ ہے کہ انسانی سرشت میں بیک وقت دو رجحانات موجود ہوتے ہیں' ایک وہ جو حیوانی ہوتے ہیں اور ان پر عمل انسان کو حیوانیت سے قریب لے جاتا ہے اور دوسرے وہ جو ملکی ہوتے ہیں اور جن پر عمل انسان کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ غزالی کا کہنا ہے کہ اوّل الذکر میلانات انسان کو حیاتِ صالحہ اور طاعات پر اُکساتے ہیں اور ان کا سبب عقل کا صحیح استعمال ہے۔ یہ انسان کے اندر خوف و رجاء اور دیگر اخلاقِ حسنہ مثلاً شکر' صبر' توکل' محبت وغیرہ ابھارتے ہیں۔ ھویٰ ان سب چیزوں کے برعکس قوتِ شہوۃ و غضب کی عکاس ہے' جسے ہم نفسِ امارہ بھی کہہ سکتے ہیں اور جس میں سارے حظوظ الدنیا شامل ہیں۔ قرآن میں ان کی تعداد کہیں سات ہے ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ﴾ (۳۱) کہیں پانچ ﴿ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ (۳۲) کہیں دو ﴿ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ﴾ (۳۳) اور کہیں اسے محض ایک یعنی ھویٰ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾ (۳۴) جسے ہم حب دنیا بھی کہہ سکتے ہیں اور جس میں حب طعام و جنس اور تملک کے علاوہ ہر قسم کی فانی شہوات و لذات شامل ہیں۔ (۳۵)

جبلی تقاضے اور تعمیر شخصیت :

یہاں اہم سوال یہ ہے کہ مذکورہ جبلی تقاضوں کو کس طرح پورا کیا جائے کہ وہ تعمیر شخصیت میں معاون ہوں؟ غزالی کی رائے یہ ہے کہ جبلی تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرنا یا ان تقاضوں کی نفی کرنا یہ دونوں طریقے غلط' نقصان دہ اور انتہا پسندی پر مبنی ہیں' کیونکہ پہلے طریقے پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان' حیوان بن جائے اور دوسرے طریقے پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرشتہ بننے کی کوشش کرے۔ حالانکہ اصلاً نہ وہ حیوان ہے اور نہ فرشتہ' بلکہ انسان ہے' کیونکہ اللہ نے اسے علم' ارادے اور اختیار سے نوازا ہے جن سے کہ حیوانات اور فرشتے دونوں محروم ہیں۔ لہٰذا اس کی بہتری اس میں ہے کہ نہ وہ ان جبلی تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرے کہ ان کا غلام بن جائے اور نہ نفس کشی کے

راستے پر چل پڑے کہ ان کو پورا کرنے سے انکار کردے' بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ ضبط سے کام لے اور افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرے۔

وہ کہتے ہیں کہ انسان جب تک زندہ ہے یہ جبلی تقاضے تو اس کے ساتھ لگے رہیں گے۔[۳۶] ان سے تو پیغمبر بھی پاک نہیں تھے چہ جائیکہ کوئی دوسرا انسان۔[۳۷] لہٰذا ان کی نفی کرنے کی بجائے ان کو کمزور کرنا چاہیئے تاکہ انسان ان پر غالب آجائے (نہ کہ وہ اس پر غالب آجائیں۔) اور آخرت کی کامیابی کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے کام لے۔ ان تقاضوں کے پورا کرنے پر جسم کی بقاء اور صحت کا دارومدار ہے اور آخرت کی کامیابی کا دارومدار بھی اس پر ہے کہ جسم قوی اور معتدل رہے تاکہ آخرت کے سفر میں انسان کے کام آئے[۳۸] جس کا زادِ راہ صحیح علم و عمل اور جس کی منزل وصول الی اللہ ہے۔ غزالی کہتے ہیں کہ وصول الی اللہ کا عظیم ہدف ہر وقت انسان کے سامنے رہنا چاہیئے تاکہ اسے احساس رہے کہ کھانے اور جنس کی جبلت اللہ نے اس لئے اس کے اندر نہیں رکھی کہ وہ جانوروں کی طرح محض لذت حاصل کرے' بلکہ اس لئے رکھی کہ کھا کر وہ قوت حاصل کرے جو عبادات و طاعات میں اس کے کام آئے اور نکاح کرے تاکہ نہ صرف نسلِ انسانی کا سلسلہ جاری رہے بلکہ اسے پاک دامنی اور صالح معاشرت بھی میسر آئے۔[۳۹]

خلاصہ یہ کہ غزالی کی رائے ہے کہ جبلی تقاضوں کو دبانے یا ان کی نفی کرنے کی بجائے ضبط سے کام لے کر انہیں کمزور اور معتدل بنایا جائے تاکہ انسان دینوی اور اُخروی ترقی میں ان سے مدد لے نہ کہ ان کا غلام بن کر رہ جائے (اگرچہ بعض اوقات اپنی صوفیانہ تحریروں میں وہ اس توازن کو کھوتے محسوس ہوتے ہیں اور ان محرکات کی مذمت کرنے میں شدت برتتے ہیں۔ اس کی وجہ صوفیانہ اثرات کی شدت کے علاوہ غالباً یہ بھی ہے کہ تربیت کے نقطۂ نظر سے وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک دفعہ اگر یہ جبلی تقاضے غلط طریقے سے انسانی شخصیت پر حاوی ہو جائیں تو ان کے دفعیہ اور تدارک کے لئے ان کو پوری قوت اور شدت سے مخالف سمت میں دھکیلنا پڑے گا ورنہ یہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔) اس کا طریقہ ان کے نزدیک مجاہدۂ نفس ہے تاکہ حیوانی تقاضے کمزور پڑ جائیں اور ملکی یا روحانی تقاضے زور پکڑ جائیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ حیوانی تقاضوں اور طاقتوں کو اعلیٰ مقاصد اور ارفع اقدار میں تبدیل کردیا جائے۔ مجاہدۂ نفس کے ذریعے یہ

مقصد کیسے حاصل کیا جائے؟ غزالی کے نزدیک اس کے چار طریقے ہیں : ایک ارادے کی تقویت' دوسرے اعمال صالحہ بجالانا اور ان کو پختہ عادات بنالینا' تیسرے فارغ اوقات کو جائز اور مفید کاموں میں صرف کرنا اور چوتھے عبادات' جن کا صحیح طریقے سے بجالانا قلب کی اصلاح کے لئے اکسیر کا کام دیتا ہے۔ (۴۰)

نشاطِ وجدانی :

انسانی افعال کے نتیجے میں انسان یا تو خوش ہوتا ہے یا ناخوش' اسے یا تو لذت ملتی ہے یا الم۔ اس قسم کے تاثرات اور ردودِ افعال کو انفعالات کہا جاتا ہے جیسے خوف اور غصہ۔ اس طرح ان افعال کا محرک یا تو محبت اور شوق ہوتا ہے یا نفرت و حقارت' جنہیں عواطف یا جذبات کہا جاتا ہے۔ (مسلم فلاسفہ و ماہرین علم النفس عواطف کی بجائے عموماً عشق' ہوئی یا میول کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔) انسان کی حیاتِ وجدانی انہی انفعالات و عواطف کے مجموعے کا نام ہے۔ غزالی اسے عموماً قوتِ غضبیہ کا نام دیتے ہیں۔

○ انفعالات

خالص فنی لحاظ سے دیکھا جائے تو خوشی اور سرور بھی انفعالات ہیں لیکن علماء نفس عموماً خوف و غضب اور قلق کو انفعال کہتے ہیں جن کا نتیجہ اضطراب اور اختلال ہوتا ہے۔ نفس انسانی کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس اضطراب کا مقابلہ کرے اور اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرے تاکہ انسانی سلوک (behaviour) میں اختلال واقع نہ ہو۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انفعالات بھی بھوک اور پیاس جیسے جسمانی محرکات کی طرح اہم محرک ہیں جو انسانی سلوک پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

عناصر انفعال :

انفعال کا انحصار تین عناصر پر ہوتا ہے۔ ایک مؤثر یا مہیج دوسرے انسان کی نفسیاتی' عقلی اور شعوری کیفیت اور تیسرے وہ ردعمل جو ظہور پذیر ہوتا ہے۔ مؤثر یا مہیج خارجی بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے کسی درندے یا سانپ پر نظر پڑ جانا اور داخلی بھی ہوتا ہے۔ جیسے کسی مالی یا بدنی نقصان کا اندیشہ اور خوف۔ اپنے اثرات کے لحاظ سے مؤثر یا مہیج کے شدید یا نرم ہونے کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ وہ انسانی زندگی کی بقاء پر کس حد تک اثر انداز

ہوتا ہے۔ چنانچہ انسان عام طور پر اس وقت غضب یا خوف کا شکار ہوتا ہے جب معاملہ اس کی روزی' رہائش اور سلامتی سے متعلق ہو۔ (۴۱) جہاں تک مہیج کے ردعمل کا تعلق ہے تو اس کا انحصار بڑی حد تک انسان کی تعلیم و تربیت اور ماحول و معاشرے پر ہے۔ مثلاً کوئی شخص اگر کسی ایسے معاشرے میں رہتا ہو جہاں اظہارِ غضب اور انتقام لینے کو شجاعت اور مردانگی سمجھا جاتا ہو تو لامحالہ وہ غضب کے اس ردعمل سے متاثر ہو گا۔ (۴۲) اسی طرح غصہ اگر کسی ایسے مقتدر اور بااثر شخص کے خلاف آئے جس پر آدمی اظہارِ غضب نہ کر سکے یا انتقام نہ لے سکے تو اس کے نتیجے میں فرسٹریشن (frustration) پیدا ہوتی ہے' دورانِ خون سُست پڑ جاتا ہے اور آدمی کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ اس کے برعکس غصّہ اگر ایسے آدمی کے خلاف آئے جس پر آدمی اظہارِ غضب کر سکتا ہو اور اس سے انتقام پر قادر ہو تو اس غصے کے نتیجے میں دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور آدمی لال بھبھو کا ہو جاتا ہے۔ (۴۳)

انسانی رویئے پر انفعال کے اثرات :

انفعال سے جسم' عقل اور بحیثیت مجموعی انسانی رویہ اور سلوک شدید طور پر متاثر ہوتے ہیں' مثلاً شدید غصے کی حالت میں آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے' بعض لوگ شدتِ غضب سے کانپنے لگتے ہیں' آدمی کو اپنی گفتگو اور حرکات پر قابو نہیں رہتا' منہ میں جھاگ آ جاتا ہے' گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں' چہرہ لال بھبھو کا ہو جاتا ہے وغیرہ۔ اسی طرح شدید غصے کی حالت میں عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور ذہن کام نہیں کرتا اور آدمی متوازن فیصلہ کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ کیونکہ عقل و فکر کا محل دماغ ہے اور غصے کی حالت میں دل خون کی اتنی زیادہ مقدار دماغ کو بھیجتا ہے کہ اس کی کارکردگی میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور انسان متوازن طریقے سے سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ غزالی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو خط لکھ کر نصیحت کی تھی کہ وہ غصے کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کریں اور نہ کسی کو سزا دیں۔ بلکہ جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو پھر فیصلہ کریں۔ (۴۴) جہاں تک انفعالات کے انسانی رویئے پر اثر انداز ہونے کا تعلق ہے تو امام غزالی کا موقف یہ ہے کہ انفعالات کا متوازن ردعمل انسانی زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔ اگر کسی انسان پر کوئی شخص یا جانور حملہ کر دے تو اس وقت اُس کا غصے میں

آنا اور اپنی مدافعت کرنا فطری اور صحیح ردِ عمل ہے۔ اور ایسا نہ کرنا نہ صرف سببِ ضیاعِ زندگی ہے' بلکہ غیر فطری ہے۔ چنانچہ وہ امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ جسے غصے کے جائز محل پر بھی غصّہ نہیں آتا وہ انسان نہیں حیوان ہے اور بے حمیت ہے' جو ظاہر ہے کہ نقص اور عیب کی بات ہے۔(۴۵)

انسانی رویئے پر انفعالات کے اثر انداز ہونے کے حوالے سے غزالی کہتے ہیں کہ اس کا انحصار انفعال کی شدت سے ہے' وہ معتدل بھی ہو سکتا ہے اور افراط و تفریط پر مبنی بھی۔ انفعال کے افراط کو وہ مضر قرار دیتے ہیں خواہ بظاہر وہ کتنا ضروری' مطلوب اور مقدس ہی کیوں نہ ہو' مثلاً وہ کہتے ہیں کہ خوفِ خدا بھی اگر حد سے بڑھ جائے تو نقصان دہ ہے اور اس سے انسانی رویہ غیر متوازن ہو جائے گا۔ خوف کی کثرت لامحالہ یاس اور قنوطیت کو جنم دیتی ہے' عمل میں رکاوٹ بنتی ہے' جسمانی کمزوری اور مرض کا سبب بنتی ہے' دہشت اور زوالِ عقل کا موجب ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے موت تک واقع ہو سکتی ہے۔ اسی طرح وقتی اور غیر دیرپا خوف کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ایسا خوف انسانی سلوک پر مستقل نوعیت کے اچھے اثرات پیدا نہیں کرتا' مثلاً اچھا اور مؤثر وعظ سنا تو خوفِ خدا سے رونا آگیا۔ لیکن بعد میں وہی غفلت چھا گئی اور انسان خدا سے غافل ہو کر اس کے احکام کی نافرمانی میں لگ گیا۔ غزالی کے نزدیک خوفِ خدا کا صحیح روپ یہ ہے کہ وہ افراط و تفریط پر مبنی نہ ہو' بلکہ معتدل اور مثبت ہو' جو انسان کو عمل پر ابھارے' طاعات پر اکسائے' معاصی سے روکے' ماضی کی کوتاہیوں کی تلافی کرے اور اس کے مستقبل کو سنوارے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ سے صحیح ڈرنے والا وہ نہیں جس کی آنکھیں روئیں' بلکہ وہ ہے جو ترکِ معصیت پر قادر ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ خوفِ خدا کا معتدل اور مثبت منہج انسان کو ایک طرف شہوات و لذات اور تکبر و حسد و نفرت وغیرہ پر کنٹرول سکھاتا ہے تو دوسری طرف انسان میں ذکر و فکر' عبادات اور تقویٰ کے رجحانات کو فروغ دیتا ہے۔(۴۶)

علاجِ انفعالات :

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان انفعالات کا علاج ممکن ہے؟ غزالی کا موقف اس معاملے میں اعتدال پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رویّہ بھی غلط ہے کہ انفعالات سرے سے ہی ختم ہو جائیں' کیونکہ یہ انسانی فطرت اور حکمتِ تخلیق ہی کے خلاف ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انفعالات میں کوئی تبدیلی لائی ہی نہیں جا سکتی۔ اس کے برعکس ان کی رائے یہ ہے کہ تربیت سے انفعالات کو حدود میں رکھا جا سکتا ہے اور کنٹرول کیا جا سکتا ہے' مثلاً غصے کے علاج کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس کا علاج ممکن ہے۔ غصہ آنے سے پہلے اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی غصہ آنے کے اسباب اور اس پر قابو پانے کے طریقے جان لے اور ان پر عمل کرے۔ اگر غصہ آ جائے تو اس کے دو علاج ہیں' ایک علمی اور دوسرا عملی۔ علمی علاج یہ ہے کہ :

۱) انسان ان آیات و احادیث کو ذہن میں لائے جن میں حلم اور غصہ پی جانے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

۲) انسان اپنے آپ کو اللہ کے عذاب کے خوف سے ڈرائے۔

۳) انسان اپنے نفس کو سمجھائے کہ اس غصے کا نتیجہ دشمنی اور انتقام ہی تو ہو گا۔

۴) انسان یہ سوچے کہ غصے کی حالت میں آدمی کی شکل بگڑ کر جانوروں اور درندوں جیسی ہو جاتی ہے اور پاکیزہ چہرے والے اولیاء و صلحاء اور انبیاء حلیم ہوتے ہیں۔

۵) آدمی یہ سوچے کہ آخر اسے کون سی چیز انتقام پر اکسا کر اس کے وقار کو ملیا میٹ کر رہی ہے۔

۶) آدمی خود کو سمجھائے کہ اسے غصہ تو تبھی احکامِ الٰہیہ پر آنا چاہیئے نہ کہ اپنی مرضی کے خلاف امور کے وقوع پر۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یہ گویا اپنی مرضی کو مرضات اللہ سے اولیٰ قرار دینے کے برابر ہے۔ (۴۷)

جہاں تک غصے کے عملی علاج کا تعلق ہے تو یہ قولی بھی ہے اور فعلی بھی۔ قولی علاج یہ ہے کہ آدمی اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم اور دوسری آیات کا مسلسل ورد کرے یہاں تک کہ اس کا دھیان غصے سے ہٹ جائے۔ اس سے بھی اگر غصہ رفع نہ ہو تو اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے یا لیٹ جائے۔ اسی طرح ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا غسل کرے تو اِن شاء اللہ اس کی غصے والی حالت جاتی رہے گی۔ (۴۸)

اس عملی علاج کی حکمتیں ذرا ذہن میں رہنی چاہئیں۔ تعوذ پڑھنے سے ایک تو اس امر کا استحضار ہو جائے گا کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔ پھر غصہ ذہن کی ایک خاص ہیجانی اور اضطراری کیفیت کا نام ہے' اگر اس سے دھیان کسی طرح

ہٹ جائے تو یہ کیفیت بدل جائے گی۔ آیات کے مسلسل ورد سے آدمی کا دھیان ان آیات اور اُن کے مفہوم کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ اس ہیجانی کیفیت سے نکل آتا ہے۔ کھڑے ہونے کی صورت میں بیٹھنے اور بیٹھے ہونے کی صورت میں کھڑے ہونے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس سے جسمانی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہے اور انفعال جس قسم کا بھی ہو ایک خاص ذہنی و جسمانی حالت کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر اس حالت سے نکل آیا جائے تو وہ انفعال خود بخود کمزور ہو جائے گا' لہٰذا غصے کی حالت میں بھی جسمانی پوزیشن بدلنے سے غصے کا کم ہونا قابل فہم ہے۔ بیٹھنے اور لیٹنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غصے کی وجہ سے جسم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور دورانِ خون تیز ہو جاتا ہے اور حرارت حرکت سے پیدا ہوتی ہے' لہٰذا حرکت چھوڑ کر بیٹھ جانا یا لیٹ جانا گویا حرکت کو ترک کر کے امن اور سکون کی طرف لوٹ جانا ہے جس سے دورانِ خون کی تیزی اور دماغ کی طرف خون کا دباؤ کم ہو جائے گا' جس سے غصہ کم ہو گا۔ لیٹ جانے میں ایک اور حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ اس سے آدمی کو اپنی اصل اور انتہاء یاد آجاتی ہے کہ وہ مٹی ہی سے پیدا ہوا ہے اور اب مٹی ہی پر لیٹا ہوا ہے اور کل بھی قبر کی مٹی ہی میں جا کر لیٹنا ہے۔ یہ احساس جب بھی شعور کی گرفت میں آئے گا تو اس شخص کا غصہ لامحالہ جاتا رہے گا۔ ٹھنڈے پانی سے وضو اور غسل کرنے میں بھی حکمت پوشیدہ ہے' اور وہ یہ کہ جس طرح جسمانی حالت میں تغیر سے غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے اسی طرح باطنی حالت میں تغیر بھی ضروری ہے۔ اور جوں ہی باطنی حالت میں تغیر ہو گا غصہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو جائے گا۔ ٹھنڈے پانی سے جسم اور جسمانی اعضاء کو دھونے سے وہ آگ جو شیطان نے لگائی تھی' بجھ جاتی ہے' دورانِ خون سست ہو کر نارمل ہونے لگتا ہے اور دماغ پر ہیجان و اضطراب میں کمی واقع ہوتی ہے اور اس طرح غصے کے کم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

اس تشریح سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ غزالی کس دقتِ نظر سے نفسی امراض کا جائزہ لیتے اور علاج تجویز کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

مراجع و مصادر

۱) یہ رائے ابن خلکان اور شبلی کی ہے۔

۱) علامہ سمعانی نے کتاب الانساب اور فیومی نے مصباح میں اس کا ذکر کیا ہے۔
۳) سبکی، طبقات شافعیہ، ۴ : ۱۰۷، قاہرہ ۱۳۲۴ھ
۴) ابن عساکر تبیین، کتاب المفتری، ص ۲۹۴، ۲۹۵، طبع لائیڈن، تحقیق Mehren
۵) شبلی نعمانی، الغزالی، ص ۴۶ ومابعد، طبع اسلامی اکادمی، لاہور
۶) عبدالکریم العثمان، سیرۃ الغزالی واقوال المتقدمین فیہ، ۲۰۲ ومابعد، طبع دارالفکر بدمشق
۷) غزالی، احیاء علوم الدین، ۳ : ۱، ۲، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۷ھ
۸) غزالی المنقذ من الضلال، اردو ترجمہ از مولانا محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص ۴۶، لاہور ۱۹۷۱ء
۹) غزالی، احیاء، ۳ : ۴۲
۱۰) غزالی، الرسالہ اللدنیہ، ص ۷۔ نیز کیمیائے سعادت، ص ۵۰۳، در العقود اللآلی من رسائل الامام الغزالی، المطبعہ المحمودیہ التجاریہ، القاہرہ
۱۱) نفس کی تعریف کے لئے دیکھئے قشیری، الرسالہ، ص ۵۷، محمد علی صبیح و اولادہ، قاہرہ، ۱۳۶۷ھ
۱۲) غزالی، معارج القدس، ص ۱۰، طبع فرج اللہ الکردی، القاہرہ، ۱۳۲۷ھ
۱۳) غزالی، الاحیاء ۳ : ۲
۱۴) غزالی، معراج السالکین، ص ۱۳، در فوائد اللآلی، طبع فرج اللہ الکردی، القاہرہ، ۱۳۴۴ھ
۱۶) غزالی، الرسالہ اللدنیہ، ص ۲۳ در العقود اللآلی والاحیاء ۲ : ۵۲
۱۷) غزالی، الاحیاء، ۳ : ۴ و معراج السالکین، ص ۱۷۴
۱۷) غزالی، کیمیائے سعادت، ص ۵۱۰
۱۸) غزالی، معراج السالکین، ص ۲۵
۱۹) غزالی، مقاصد الفلاسفہ، ص ۲۷۶، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۱ء
۲۰) غزالی، معراج السالکین، ص ۲۴
۲۱) دیکھئے مثلاً : ابن قیم، کتاب الروح، ص ۲۱۔۲۱۸، طبع محمد علی، القاہرہ، ۱۳۶۹ھ
۲۲) غزالی، المعارج، ص ۱۱۴، ۱۱۵
۲۳) غزالی، الرسالہ اللدنیہ، ص ۹، ۲۵، نیز المعارج ۲۰، ۲۱، ۳۴
۲۴) غزالی، المعارج، ص ۱۲۸۔۱۳۱، معراج السالکین، ص ۳۷
۲۵) آل عمران ۳ : ۱۶۹

۲۶) البقرہ ۲ : ۱۵۴

۲۷) متفق علیہ

۲۸) الاحیاء ۴ : ۱۱۱

۲۹) الاحیاء ۳ : ۱۰، ۱۱ و ۴ : ۱۵، ۱۶

۳۰) الاحیاء ۴ : ۲۸۹، ۲۹۱

۳۱) آل عمران ۳ : ۱۴

۳۲) الحدید ۵۷ : ۲۰

۳۳) محمد ۴۷ : ۳۶

۳۴) النازعات ۷۹ : ۴۰

۳۵) غزالی، الاحیاء ۳ : ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۲۶ و ۴ : ۲۲۲

۳۶) غزالی، الاحیاء ۳ : ۲۹

۳۷) غزالی، الاحیاء ۳ : ۵۵

۳۸) غزالی، الکیمیا، ص ۵۰۴

۳۹) غزالی، المعارج ۴ : ۶۵

۴۰) غزالی، الاحیاء ۳ : ۱۵

۴۱) غزالی، الاحیاء ۳ : ۱۶۵ و ۴ : ۱۶۴

۴۲) غزالی، الاحیاء ۳ : ۱۶۳ و مابعد

۴۳) غزالی، میزان العمل، فرج اللہ الکردی، القاہرہ، ۱۳۲۸ھ : ۱۳۲

۴۴) غزالی، الاحیاء ۳ : ۱۶۲

۴۵) غزالی، الاحیاء ۳ : ۳۳۳، و ۴ : ۱۰۹

۴۶) غزالی، الاحیاء ۴ : ۱۵۴

۴۷) غزالی، الاحیاء ۳ : ۱۶۹

۴۸) غزالی، الاحیاء ۳ : ۱۷۰

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

دینِ ابراہیمؑ اور ریاست اسرائیل(۶)

تالیف : عمران این حسین ـــــــ اردو ترجمہ : سید افتخار احمد

باب پنجم

محمدؐ اور ابراہیمؑ کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا) میثاق ـــــ قرآنی نظریہ

جب ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر کعبہ کی تعمیر اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے مکمل کرلی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کی کہ وہ ان (ابراہیم علیہ السلام) کے خاندان کے اس حصّہ میں سے جو وہ مکّہ میں چھوڑ کر جا رہے ہیں (یعنی ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے) ایک پیغمبر مبعوث فرمائے۔ چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے منفرد نوعیت کا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھنے والا کوئی اور پیغمبر اس منفرد انداز سے مشرف نہیں ہوا۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ایک بیٹے کے لئے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اسمٰعیل علیہ السلام انہیں عطا کر دیا :

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ ﴾

(الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۰، ۱۰۱)

"اے رب! بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا۔ پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک بیٹے (اسمٰعیل علیہ السلام) کی جو ہو گا تحمل والا۔"

دوسری دفعہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خاندان کے اس حصّہ میں سے جسے وہ مکہ میں چھوڑ کر جا رہے تھے (اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو)، ایک پیغمبر کے لئے دعا کی :

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾

(البقرۃ ۲ : ۱۲۹)

"اے ہمارے پروردگار! ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما، جو ان پر تیری آیتیں (وحی) پڑھے، ان کو کتاب اور حکمت سکھائے، اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو ہی بہت زبردست، بڑی حکمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی اس دُعا کے جواب میں محمد ﷺ کو پیغمبر مبعوث فرمایا۔

طبقات ابن سعد میں عبدالوہاب بن عطا العجلی سے الضحاک کے حوالہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ غور سے سنو! اللہ کے پیغمبر نے فرمایا : "میں دُعا (کا جواب) ہوں اپنے جد ابراہیم علیہ السلام کی، جس نے دُعا کی جب وہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول مبعوث فرما"۔ تب آپؐ نے قرآن مجید کی سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۹ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابن سعد : کتاب الطبقات الکبیر)

آپؐ کی اس انفرادیت کی تصدیق موسیٰ علیہ السلام نے اس پیشین گوئی کے ذریعے کی :

"خداوند، تیرا خدا، تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی سننا (یعنی حکم بجالانا)۔"

"یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہو گا جو تو نے خداوند، اپنے خدا، سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند، اپنے خدا، کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کیلئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے تو میں خود ان سے اس کا حساب لوں گا۔" (استثنا ۱۸: ۱۵-۱۹)

قرآن حکیم میں فرمایا :

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الاحقاف ۴۶ : ۱۰)

"کہہ دیجئے! بھلا غور تو کرو، اگر یہ (رسول اور کتاب) اللہ ہی کی طرف سے آیا ہوا اور تم نے اس کو نہ مانا (تو تمہارا کیا انجام ہو گا؟) حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسے کلام پر گواہی دے چکا ہے اور پھر وہ (گواہ) ایمان بھی لے آیا اور تم نے غرور کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اور بالآخر عیسیٰ علیہ السلام نے بھی محمد ﷺ کی آمد کی پیش گوئی کی :

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط ... ﴾ (الصف ۶۱ : ۶)

"اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے : اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں' میں تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات میں اور خوش خبری سنانے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا' جس کا نام احمد (ﷺ) ہو گا"۔

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" (انجیل یوحنا ۱۴ : ۱۶)

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا' یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے' تو وہ میری گواہی دے گا۔"

(انجیل یوحنا ۱۵ : ۲۶)

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" (انجیل یوحنا ۱۶ : ۷)

"لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (انجیل یوحنا ۱۶ : ۱۳)[1]

حقیقت میں قرآن مجید یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کرتا ہے کہ محمد ﷺ بالعموم تمام بنی نوع انسان کی طرف جبکہ بالخصوص یہود و نصاریٰ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ان کے فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مذہب کے اس حصّہ کی تجدید کریں جس میں انہوں نے تحریف کر دی ہے یا اسے حذف کر دیا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ط قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

(المائدۃ ۵ : ۱۵،۱۶)

"اے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ)! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول' جو تم پر بہت سی چیزیں ظاہر کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی چیزوں سے درگذر کرتا ہے (یعنی جن کی اب ضرورت نہیں) بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور ایک ایسی حق نما کتاب آگئی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان سب کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں' ہدایت عطا فرماتا ہے سلامتی کی راہوں پر' اور ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اپنے حکم سے' اور ان کو ہدایت فرماتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔"

قرآن مجید یہود و نصاریٰ کو ان بعض امور کی طرف متوجہ کرتا ہے جن کی اصلاح کے لئے محمد ﷺ مبعوث فرمائے گئے (کہ یہود و نصاریٰ ابراہیم علیہ السلام کے صحیح دین کی طرف رجوع کرلیں)۔

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (المائدۃ ۵ : ۱۷)

"بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔ کہہ دیجئے پھر کس کا بس چلتا ہے اللہ تعالیٰ کے آگے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں ان سب کے سب کو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

قرآن مجید یہود و نصاریٰ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق کے دعویٰ کی تردید کرتا ہے کہ وہ اس کے چہیتے اور پسندیدہ لوگ ہیں :

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (المائدۃ ۵ : ۱۸)

"یہود و نصاریٰ (دونوں) کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ کہہ

دیجئے : (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر وہ تمہارے گناہوں پر تم کو عذاب کیوں کرتا ہے؟ (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم بھی (محض) آدمی ہو اس کی مخلوق میں۔ وہ جس کو چاہے بخشے جس کو چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

پیغمبر محمد ﷺ کو یہود و نصاریٰ کے شبہ کو دُور کرنے کے لئے مبعوث فرمایا گیا :

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (المائدۃ ۵ : ۱۹)

"اے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہمارا رسول (محمد ﷺ) تمہارے پاس آیا ہے' جو کھول کر بیان کرتا ہے تم پر۔ (وہ آیا ہے) رسولوں کے انقطاع کے بعد۔ مبادا تم کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی یا ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ سو اب آگیا ہے تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔"

وہ (محمد ﷺ) ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے پہلے اور منفرد پیغمبر ہیں جن کو تمام انسانیت کے لئے پیغمبر بنایا گیا ہے :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (سبا ۳۴ : ۲۸)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپؐ کو (اے محمد ﷺ) مگر سارے لوگوں کے واسطے (تمام بنی نوع انسان کے لئے) خوشی اور ڈر سنانے والا' لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔"

یقیناً وہ خاتم النبیین ہیں' تمام پیغمبروں پر مہر۔

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب ۳۳ : ۴۰)

"محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں' لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین (مہر سب نبیوں پر)۔ اور اللہ سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔"

رسالت کا ادارہ آپ ﷺ کی آمد پر مکمل' پختہ اور سربمہر کر دیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے اب کوئی اور پیغمبر نہیں آئے گا اور محمد ﷺ سے کوئی نسل نہیں چلی۔ ان کے تمام بیٹے (بچپن میں) فوت ہو گئے' صرف بیٹیاں زندہ رہیں۔ زید رضی اللہ عنہ' جس کو انہوں نے

متبنیٰ بنایا' ان کا بیٹا نہیں تھا۔ اگر لوگوں کا یہ تصور کہ زید رضی اللہ عنہ ان کا بیٹا ہے' قائم رہنے دیا جاتا تو شیطان زید رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے پیغمبری کا دعویٰ کرنے والے کھڑے کر دیتا۔ کچھ زید رضی اللہ عنہ ہی کو پیغمبر تسلیم کر لیتے' کیونکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کریں۔ چنانچہ اس شادی نے ہمیشہ کے لئے اس تصور کو کہ زید رضی اللہ عنہ پیغمبر کا بیٹا تھا' ختم کر دیا۔ اور اس سے متبنیٰ کی رسم کی بھی ممانعت ہو گئی :

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا ۝ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ ﴾ (الاحزاب ۳۳ : ۳۷-۳۹)

"اور جب آپ کہنے لگے اُس شخص (زید رضی اللہ عنہ) کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے احسان کیا کہ رہنے دے اپنے پاس اپنی بیوی کو اور ڈر اللہ تعالیٰ سے' اور آپ چھپاتے تھے اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا (ظاہر کرنا) چاہتا تھا۔ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض تو ہم نے اس کو آپ کے نکاح میں دے دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ تمام کر چکیں ان سے اپنی غرض۔ اور اللہ کا حکم بجالانا (فرض) ہے۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو فرض کر دی اللہ نے اس کے لئے۔ یہ سنت رہی ہے اللہ کی ان لوگوں میں جو پہلے گزرے' اور اللہ کا حکم مقرر ٹھہر چکا۔ (یہ اللہ کی سُنّت ہے ان لوگوں کے لئے) جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے۔ اور بس کافی ہے اللہ تعالیٰ محاسبہ کرنے والا۔"

اب محمد ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی (پیغمبر) مبعوث نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا عہد محمد ﷺ پر پورا ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی نسل بطور چنے ہوئے لوگ محمد ﷺ کے بعد ختم ہو گئی :

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب ۳۳ : ۴۰)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔"

محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلنے کی تاکید فرمائی :

﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (النحل ۱۶ : ۱۲۳)

"پھر حکم بھیجا ہم نے آپؐ کی طرف کہ پیروی کیجئے ابراہیم کے دین کی جو حنیف (یک سو) تھا، اور وہ شرک کرنے والوں میں نہ تھا۔"

یقیناً محمد ﷺ اور وہ لوگ جو وفاداری سے ان کی پیروی کرنے والے ہیں (یعنی صحیح مسلمان ہیں)، سب سے زیادہ ابراہیم علیہ السلام کے قریب ہیں۔ یعنی صرف یہ لوگ یہود و نصاریٰ کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے صحیح پیروکار ہیں :

﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران ۳ : ۶۸)

"بے شک لوگوں میں ابراہیمؑ سے زیادہ مناسبت ان کو تھی جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ اور اس نبیؐ کو اور جو ایمان لائے (اس نبی پر) اور اللہ تعالیٰ والی ہے مسلمانوں کا۔"

درحقیقت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی، بلکہ وہ مسلمان تھے (جیسے محمد ﷺ اور ان کے پیروکار)۔"

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ ﴾

(البقرۃ ۲ : ۱۴۰)

"یا پھر تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اس کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی؟ کہہ دیجئے تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟"

﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران ۳ : ۶۷)

"نہ تھا ابراہیمؑ یہودی اور نہ تھا نصرانی، لیکن تھا وہ حنیف مسلمان..."

در حقیقت یہ مسلمان ہیں جو محمد ﷺ کے باوفا پیرو کار ہیں۔ اور یہ چُنے ہوئے لوگ ہیں، کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے دین کے متبرک مشن کا آخری اور صحیح نمونہ ہیں :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا... ﴾ (الحج ۲۲ : ۷۸)

"اور جدّوجہد کرو اللہ تعالیٰ کے لئے جیسی کہ چاہئے اس کے لئے محنت۔ اس نے تم کو چن لیا ہے اور تم پر دین میں کچھ مشکل نہیں رکھی۔ یہ دین تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا، پہلے بھی (تورات، انجیل میں) اور اس (قرآن مجید) میں بھی....."

محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے اتنے مقرب ہیں اور وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر اتنے مستند اور اس پر اتنی ثابت قدمی سے قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو آپؐ کا انکار یا نافرمانی کریں گے نہایت ہی ہلاکت خیز انجام سے خبردار کیا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ حقیقت ہے کہ محمد ﷺ کی فرماں برداری اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہے :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ط ﴾ (الفتح ۴۸ : ۱۰)

"تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپؐ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے۔"

اور ابراہیم علیہ السلام کا دین اسلام جو محمد ﷺ پر وحی کیا گیا اور جس پر آپؐ اور آپؐ کے ماننے والوں نے عمل کیا، اس کو تمام ادیان پر غالب اور قائم کر دیا گیا :

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ (الفتح ۴۸ : ۲۸)

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول الہدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔"

جو کوئی جان بوجھ کر محمد ﷺ کا منکر ہو یا آپ کی مخالفت کرے' یعنی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہونے' خاتم النبیین ہونے اور آپ کی آمد کے بارے میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی کا انکار کرے' اور جو کوئی قرآن مجید کا منکر ہو یا اس کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے دعویٰ کی مخالفت کرے' وہ سب کافر ہیں۔ محمد ﷺ کا درجہ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے (عبرانی لوگوں کے لئے سنہری بچھڑے کی پوجا کے نتیجہ میں) ڈرامائی طور پر قائم فرمادیا۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر ان کو چھوڑ کر چالیس دن کے لئے پہاڑ پر (چلہ کشی کے لئے) چلے گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام تختیوں پر لکھے ہوئی ملے تو وہ واپس اپنے لوگوں میں آئے۔ موسیٰؑ ان سے ان کی اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے جو انہوں نے ان کی غیر حاضری میں کی (یعنی بچھڑے کی پوجا)۔ اس پر انہوں نے اپنے بھائی ہارونؑ کو داڑھی اور پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لوگوں کی معافی کے لئے دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو جواب ہمارے موضوع کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ ۫ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِهٖ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾

(الاعراف ۷ : ۱۵۶-۱۵۷)

"فرمایا : میں اپنا عذاب جس پر چاہوں ڈالتا ہوں' جبکہ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ سو اس کو میں ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو نافرمانی سے بچتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو نبی امی (ﷺ) کا اتباع کرتے ہیں (ان باتوں میں) جن کو اپنے پاس (تورات و انجیل میں) لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک کام کا حکم کرتا ہے' برے کاموں سے روکتا ہے' ان کے لئے پاک

چیزیں حلال کرتا ہے' ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور پابندیاں جو اُن پر تھیں' اتارتا ہے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائے' جنہوں نے اس کی تعظیم کی' اس کی مدد کی اور اس نور کی جو اس پر نازل ہوا پیروی کی وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

قرآن مجید کی اس آیت نے نہایت صاف الفاظ میں وضاحت کی کہ یہود اللہ تعالیٰ کے میثاق سے خارج رہیں گے۔ اگر وہ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور خاتم النبیین تسلیم کرنے سے قاصر رہے' اور اگر انہوں نے آپؐ کو نہ مانا' آپؐ کی عزت نہ کی' آپؐ کی مدد نہ کی اور قرآن مجید کی ہدایت کی پیروی نہ کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب یا خاص درجہ سے محروم ہوں گے۔ محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ماننے سے انکار یہود کے اپنی جان کو خسارے میں ڈالنے کا مظہر ہے :

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (الانعام ۶ : ۲۰)

"جن کو ہم نے کتاب (تورات و انجیل) دی ہے وہ اس (پیغمبر ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جو لوگ اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال چکے ہیں وہی تو ایمان نہیں لاتے۔"

وہ جس پیغمبر کا انتظار کر رہے تھے اسے انہوں نے سرکشی اور حسد کی وجہ سے ماننے سے انکار کیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر یہودی لوگوں میں پیدا کیا :

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾

(البقرۃ ۲ : ۸۹، ۹۰)

"اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) پہنچی جو اس کتاب (تورات و انجیل) کو جو ان کے پاس موجود ہے' سچا بتاتی ہے (تو اس کے ساتھ ان کا برتاؤ کیسا ہے) حالانکہ پہلے سے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ پھر جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی

جس کو وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ سو ان منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ کیا ہی بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کہ وہ منکر ہوئے اس (ہدایت) کے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی' محض اس ضد کی بنیاد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل کرے۔ سو کما لائے وہ غصہ پر غصہ' اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب مقرر ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سمیت تمام انسانیت کو محمد ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کے بارے میں مخاطب فرمایا اور خبردار کیا کہ انسانیت خواہ کتنی ہی مخالفت کرے' محمد ﷺ اور دین اسلام بالآخر غالب ہو کر رہیں گے۔

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

(الفتح ۴۸: ۲۹)

"محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ منکروں پر زور آور ہیں اور آپس میں بہت نرم دل ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتے ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی رحمت و فضل کی تلاش میں ہیں۔ اور اس خوشی کی نشانی ان کے چہروں پر ہے جو ان کے سجدوں میں انہیں حاصل ہوئی۔ ان کی یہی نشانی تورات میں بیان کی گئی ہے اور یہی انجیل میں ہے۔ جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا' پھر اس کی کمر مضبوط کی' پھر موٹا ہوا' پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو۔ (اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور اسلام کو مضبوط کرتا ہے) تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں معاف کرے گا اور بڑا اجر عطا فرمائے گا۔"

اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو معجزاتی طور پر رات کے سفر پر مکہ مکرمہ سے یروشلم اور پھر آسمانوں پر (الاسراء والمعراج) لے گیا۔ یہ اس لئے کہ آپ کی اس متبرک سرزمین پر

خدائی فوقیت و برتری قائم ہو جائے۔ قرآن مجید کی سترھویں سورۃ "بنی اسرائیل" کے افتتاحی الفاظ میں اللہ تعالیٰ اپنی شان بیان فرماتا ہے جو اُس نے اس رات کیا۔

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ ﴾ (الاسراء ۱۷ : ۱)

"پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے، تاکہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے۔ بے شک وہی ہے سننے والا، دیکھنے والا۔"

یہ سفر "الاسراء" اور "المعراج" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک سیاسی پس منظر بھی ہے جو فلسطین کی متبرک سرزمین اور یروشلم کی حیثیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ معاملہ موجودہ عالمی سیاست کے لئے بالعموم اور مسئلہ فلسطین (مشہور مڈل ایسٹ پرابلم) کے لئے بالخصوص نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید فلسطین کو متبرک سرزمین گردانتا ہے۔ ایسی سرزمین جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ یہ بیان کرتا ہے کہ محمد ﷺ کو اس جگہ اس لئے لایا گیا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی کچھ نشانیاں دکھائی جائیں۔ ہم سوال کر سکتے ہیں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھانے یروشلم کیوں لائے گئے؟ یروشلم سے متعلق ہی کچھ نشانیاں کیوں؟

پیغمبر ﷺ کے اسراء اور معراج کا مطلب یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ پر واضح کر دیا جائے کہ محمد ﷺ نہ صرف کل روئے ارضی پر اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے پیغمبروں کی مقدس برادری میں بھی شامل ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اپنی یروشلم آمد پر آپؐ نے مسجد اقصیٰ (ہیکل سلیمانی) میں باجماعت نماز کی امامت فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام گذشتہ پیغمبر شامل ہوئے۔ مکّہ میں حرم کعبہ میں آپؐ کو یہ اعزاز کیوں نہیں دیا گیا؟ اس لئے کہ یہ واقعہ اس امر کا مظہر ہے کہ آپؐ کی اس متبرک سرزمین پر روحانی وراثت اور مختلف النوع گذشتہ پیغمبروں پر فوقیت قائم کی جائے۔ یہ تائیدی طریقہ یروشلم کے متعلق اس لئے (اختیار کیا گیا) کہ جس قبلہ کی طرف آپؐ نے نماز میں رخ موڑا اور جس متبرک سرزمین سے اب تمام دنیا پر دین ابراہیم علیہ السلام قائم ہونے والا ہے، کی فوقیت ظاہر

ہو۔ چنانچہ یہ تھا پیغمبر ﷺ کے یروشلم کی طرف سفر کرنے کا سیاسی پس منظر اور تحویلِ قبلہ کا مقصد کہ دین ابراہیم علیہ السلام متبرک سرزمین پر قائم کیا جائے اور محمد ﷺ اور ان کے رفقاء اب اس دین کو قائم کرنے والے اور قائم رکھنے والے ہوں گے۔

قرآن مجید کے دعویٰ سے یہ واضح ہے کہ دینِ ابراہیمؑ سوائے اسلام کے جو محمد ﷺ پر وحی کیا گیا' کہیں موجود نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ابراہیم علیہ السلام سے میثاق اب صرف محمد ﷺ اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے میثاق میں متبرک سرزمین ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کو دی گئی تھی اور جیسا کہ اب میثاق محمد ﷺ اور ان کے صحیح ماننے والوں کے ساتھ ہے' اس کا مطلب ہے کہ اب وہ اس کی ملکیت کے حق دار ہیں تاکہ دین ابراہیم علیہ السلام کو وہاں قائم کیا جائے اور قائم رکھا جائے۔ پیغمبر محمد ﷺ کی وفات کے فوراً بعد یہی ہوا۔ مسلمانوں کو فلسطین پر اختیار حاصل ہو گیا اور انہوں نے اس متبرک سرزمین پر اسلام نافذ کر دیا۔ نصاریٰ اور یہود کو فلسطین اور یروشلم میں رہنے کی اجازت تھی اس شرط پر کہ انہیں اسلام کی حکومت کے تحت پُرامن رہائش پر مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ چنانچہ دین ابراہیم علیہ السلام متبرک سرزمین پر دوبارہ قائم کر دیا گیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین دفعہ بیان کی گئی پیش گوئی پوری ہو گئی کہ اسلام جو کہ ابراہیم علیہ السلام کا صحیح دین ہے' تمام مذاہب پر غالب ہو گا:

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (التوبة ۹ : ۳۳/الصف ۶۱ : ۹)

"اسی نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن) اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غالب کردے ہر دین پر خواہ مشرکوں کو برا لگے۔"

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ○ ﴾ (الفتح ۴۸ : ۲۸)

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ (قرآن) اور سچے دین کے ساتھ تاکہ غالب کردے اسے ہر دین پر اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنے والا۔"

اگر یہود و نصاریٰ پیغمبر محمد ﷺ کے یروشلم کی طرف معجزاتی سفر کا مفہوم سمجھ جاتے

تو وہ ان کے دعوائے نبوت کو تسلیم کر لیتے۔ اور ممکن تھا کہ یروشلم ہی کا تمام دنیا کا قبلہ ہونے کا اعزاز برقرار رہتا۔ یروشلم سے مکّہ قبلہ تبدیل کرنے کا واقعہ جو محمد ﷺ کے مدینہ کی طرف ہجرت کے سترہ ماہ بعد پیش آیا' یہود و نصاریٰ کے محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تسلیم کرنے سے انکار کا واضح نتیجہ تھا۔ یہودیت قائم رکھنے کے لئے ان کا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ماننے سے یہ آخری انکار تھا۔ اس سے پیشتر وہ یحییٰ علیہ السلام اور ان کے والد زکریا علیہ السلام کا انکار کر چکے تھے' ان کا مذاق اڑا چکے تھے اور ان کو قتل کر چکے تھے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ اور جب ان پر ظاہر ہوا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی کوشش میں کامیاب ہو چکے ہیں تو انہوں نے اس پر فخر کرنا شروع کر دیا۔ قرآن مجید اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نہ تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے نہ سولی دے سکے' مگر ان پر ایسا ظاہر ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اپنے پاس اٹھا لیا :

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (النساء ۴ : ۱۵۷'۱۵۸)

"اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو اللہ کا رسول تھا۔ حالانکہ انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا' لیکن وہی صورت بن گئی ان کے لیئے۔ اور جو لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ شبہ میں پڑ گئے ہیں۔ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ہے' صرف اٹکل پر چل رہے ہیں' اور انہوں نے یقیناً اس کو قتل نہیں کیا' بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔"

تحویلِ قبلہ پر مکّہ اسلام کا روحانی مرکز بن گیا' جبکہ یہود و نصاریٰ کے یروشلم کو قبلہ مانتے رہنے کی وجہ سے وہ روزانہ پیغمبر محمد ﷺ کی نبوت کے انکار کا اعادہ کرتے ہیں۔

ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ یہ مشیتِ ایزدی ہے کہ یروشلم اور متبرک سرزمین فلسطین لادینی قوم پرست' صیہونیت کے قبضہ میں رہے جو ہر اُس مقدس چیز کو' جو یہودیت میں باقی رہ گئی تھی' نیست و نابود کر دے۔ اگر تورات میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو آج یہود فلسطین میں ایسی خوفزدہ اور تکلیف دہ صورت میں نہ ہوتے۔ ایسی تکلیف دہ صورت جو ان کی تاریخ میں کبھی نہیں آئی۔

صیہونیت نے ان کو ایسی صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے کہ جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے مصروفِ جنگ ہیں۔ یہ ان کو ان کی تباہی تک پہنچا کر چھوڑے گی۔ جو لوگ فریب میں مبتلا رہتے ہیں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں' مگر ان کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی تباہی کے خود راقم ہیں :

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۲ : ۹)

"وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو' جبکہ دراصل وہ کسی کو دھوکہ نہیں دیتے سوائے اپنے آپ کے' مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔"

متبرک سرزمین پر یہودی صیہونی قبضہ نے مہمیز کا کام کیا ہے۔ دراصل یہ خدا کا عطا کردہ موقع ہے کہ اسلامی دنیا حرکت میں آئے اور ان تمام زنجیروں کو جو اسلامی دنیا کو گرفت میں لئے ہوئے ہیں' توڑ ڈالے اور اپنا ایمان مضبوط کرے۔ اگر مسلمان حکومتیں تاریخ کے رخ کو پڑھنے میں ناکام رہیں گی تو تباہ ہو جائیں گی۔ اسراء اور معراج اللہ تعالیٰ کی طرف سے یروشلم کو متبرک بنانے کی تصدیق کرتا ہے :

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ﴾ (الاسراء ۱۷ : ۱)

"پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک' جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے' تاکہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے نمونے۔ بے شک وہی ہے سننے والا' دیکھنے والا۔" (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱)

نہ صرف اس لئے کہ پیغمبر وہاں رہتے تھے یا وہاں متبرک چٹان (صخرہ) ہے یا ہیکل سلیمانی ہے' بلکہ اس لئے بھی کہ یہ یروشلم تھا جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو آسمانوں کے منفرد سفر کا آغاز کروایا' جس کا نقطہ عروج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بالخصوص اپنے حضور بلایا۔

چنانچہ یروشلم اور فلسطین کا ایک روحانی درجہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص متبرک قرار دی گئی سرزمین ہے۔ نتیجتاً مسلمانوں پر ایک سیاسی فرض عائد ہوتا ہے

کہ وہ اس سرزمین کے متبرک اور خاص درجہ کی تبدیلی یا خراب کرنے کی کوشش ناکام بنادیں۔ صرف سیاسی کنٹرول سے ہی مسلمان امت اس سرزمین کو متبرک رکھنے اور اس میں دین ابراہیمؑ یعنی اسلام کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کی ذمہ داری پوری کر سکتی ہے۔

یہ ناقابل فہم ہے کہ محمد ﷺ کے صحیح پیرو کار فلسطین کی متبرک سرزمین میں جس کا دارالخلافہ یروشلم ہو' ایک یہودی سیکولر قومیت پرست ریاست کے قیام کے لئے رضامند ہو جائیں گے یا اسے تسلیم کریں گے۔ ایسا کرنا متبرک سرزمین اور یروشلم کے اس متبرک درجہ کی ناپاک خلاف ورزی سے کم نہیں ہے۔ اور یہ اس زمین میں دینِ ابراہیم علیہ السلام کے غلبہ قائم کرنے کی ذمہ داری سے واضح انحراف ہے۔ یہودی قومیت جسے سیکولر صیہونی تحریک نے گمراہ کیا' ۱۹۴۸ میں فلسطین میں سیکولر ریاست جس کا دارالخلافہ یروشلم ہو' قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ تنظیم آزادی فلسطین (P. L. O) جو سیکولر فلسطینی قومیت کا ہراول دستہ ہے' کا بھی یہی ہدف ہے۔ صحیح مسلمان جو پیغمبر ﷺ کے حقیقی پیرو ہیں اور باقی سب جو ان سے اتحاد کریں گے' کی یہ مذہبی ذمہ داری ہے کہ وہ فلسطین اور یروشلم کو یہودی صیہونی قبضہ سے نجات دلائیں اور اسے سیکولر فلسطینی قومیت سے بھی بچائیں۔ جیسا کہ اب ایک ہٹ دھرم' متعصب قابض طاقت اس کے متبرک درجہ کی متواتر خلاف ورزی کر رہی ہے اور من مرضی سے اس پر اپنا دعویٰ جتلا رہی ہے ـــــ ایسی طاقت جو وہاں کے رہائش پذیر مجبور و مقہور مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی ہے اور ان سے حیوانوں کا سا سلوک کر رہی ہے۔ یہ قرآن مجید کی عظیم پیش گوئی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَلٰی عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ (المائدہ ۵ : ۸۲)

"اور تو پائے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو....."

قرآن مجید کی یہ آیت عرب کے یہود کا حوالہ دیتی ہے جنہوں نے پیغمبر ﷺ کی مخالفت کی۔ اور آج بھی دنیا میں اسلام کی سب سے بڑی مخالفت یہود ہی کی طرف سے ہو رہی ہے۔

(باقی صفحہ ۶۱ پر)

امام عبدالرزاق بن ہمامؒ

—— عبدالرشید عراقی ——

امام عبدالرزاق بن ہمام یمن کے شہر صنعاء میں ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ

امام عبدالرزاق بن ہمام نے نامور محدثین کرام سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے اساتذہ میں امام ابن جریج' امام اوزاعی' امام سفیان ثوری' امام سفیان بن عیینہ اور امام مالک بن انس جیسے ائمہ فن اور کبار محدثین شامل ہیں۔

تلامذہ

ان کے تلامذہ میں مشہور محدثین اور ائمہ فن شامل ہیں۔ مثلاً امام احمد بن حنبل' امام اسحاق بن راہویہ' امام علی بن مدینی اور امام یحییٰ بن معین وغیرھم

رحلت و سفر

مؤرخین اور ارباب سیر نے امام عبدالرزاق بن ہمام کا طلب حدیث کے لئے دوسرے اسلامی ممالک کے سفر کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام صاحب نے مکہ معظمہ اور شام وغیرہ کا سفر کیا۔

فضل و کمال

امام عبدالرزاق بن ہمام کے علم و فضل' عدالت و ثقاہت' حفظ و ضبط' ذکاوت و فطانت' زہد و ورع' تقویٰ و طہارت اور علم حدیث میں ان کے تبحر علمی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ علمائے سیر نے ان کو "مخزن علم" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

مؤرخ یافعی ان کے بارے میں لکھتے ہیں : "المرتحل الیہ من الافاق" یعنی وہ شخص جس کے پاس لوگ اطراف و اکناف سے آتے تھے۔ علمائے اسلام نے ان کے ثقہ و ثابت ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور اس کا بڑا عمدہ ذوق پایا تھا۔ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

فذاک زمانٌ لعبًا به

وھذا زمان بنا یلعب

"ایک وہ زمانہ تھا جس سے ہم کھیلتے تھے اور اب یہ زمانہ ہے جو ہم سے کھیل رہا ہے۔"

وفات

امام عبدالرزاق نے ۸۵ سال کی عمر میں شوال ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

تصانیف

امام عبدالرزاق بن ہمام نے بے شمار کتابیں لکھیں، لیکن ان کی کتابیں قدماء مصنفین کی طرح معدوم ہیں۔ صرف ان کی درج ذیل کتابوں کے نام تاریخ نے محفوظ کئے ہیں۔

۱) جامع یا سنن عبدالرزاق
۲) کتاب السنن فی الفقہ
۳) کتاب المغازی
۴) کتاب التفسیر
۵) مصنف عبدالرزاق

مصنف عبدالرزاق : یہ امام صاحب کی بہت مشہور اور شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ اس کو فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ کے بعد مصنف عبدالرزاق کا نمبر ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے طبقات کتب حدیث میں اس کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کے قلمی نسخے جرمنی اور حجاز کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

امام عبدالرزاق بن ہمام پر شیعیت کا الزام

بعض مؤرخین نے ان کی نسبت شیعیت کی طرف کی ہے، لیکن اس میں کوئی حقیقت

نہیں ہے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی تذکرۃ المحدثین میں لکھتے ہیں :

امام عبدالرزاق کا بیان ہے کہ :

"مجھے اس بات پر کبھی شرح صدر نہیں ہوا کہ جناب امیر کو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے افضل قرار دوں"۔ سلمہ بن شعیب ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ "حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ پر خدا کی رحمت ہو۔ جس شخص کے دل میں ان بزرگوں کی محبت نہ ہو وہ مؤمن نہیں۔ مجھ کو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ بھروسہ ان حضرات کی محبت ہی پر ہے۔" (تذکرۃ المحدثین، ج ۲، ص ۶۸)

مراجع و مصادر

۱) ابن خلکان، تاریخ ابن خلکان

۲) ابن حجر، تہذیب التہذیب

۳) ذہبی، تذکرۃ الحفاظ

۴) یافعی، مرآۃ الجنان

۵) ضیاء الدین اصلاحی، تذکرۃ المحدثین

بقیہ : دین ابراہیم اور ریاست اسرائیل

حواشی

۱) محمد ﷺ کی آمد کے بارے میں بائبل کی پیشین گوئیوں کے مفصل تجزیہ کے لئے رجوع کریں : جمال بداوی کی کتاب محمد بائبل میں (Muhammad in the Bible) ھالی فیکس اسلامک انفارمیشن فاؤنڈیشن ۱۹۸۲ء

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ --- علیؓ مرتضیٰؓ

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

بیس پسندیدہ خصلتیں

قبیلۂ ازد کے سات اشخاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ ان کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور ان کی خصلت و عادات کو پسند کیا' فرمایا : "اِنَّ لِکُلِّ قَوْلٍ حَقِیْقَةٌ فَمَا حَقِیْقَةُ قَوْلِکُمْ وَاِیْمَانِکُمْ" یعنی "ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے تمہارے قول و ایمان کی کیا حقیقت ہے؟" انہوں نے عرض کیا : پندرہ خصلتیں۔ پانچ خصلتیں تو آپ ﷺ کے مبلغین نے ہم کو بتائی ہیں' پانچ خصلتیں آپ نے بتائی ہیں کہ ہم ان پر عمل کریں' اور پانچ خصلتیں ہمارے گزشتہ بزرگ بتا گئے ہیں کہ ہم ان کو مضبوط پکڑ لیں۔ آج ہم ان پندرہ خصلتوں پر برابر عمل کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا : وہ پانچ خصلتیں کیا ہیں جن کو میرے مبلغین نے تم کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا :

اَنْ نُّؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

"(۱) یہ کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں (۲) اس کے فرشتوں پر ایمان لائیں (۳) اس کی کتابوں پر اور (۴) اس کے رسولوں پر ایمان لائیں' اور (۵) یہ یقین رکھیں کہ مرنے کے بعد قیامت کا روز برحق ہے۔"

فرمایا : وہ پانچ خصلتیں کیا ہیں جن پر میں نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ عرض کیا :

اَمَرْتَنَا اَنْ نَّقُوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنُقِیْمَ الصَّلٰوةَ وَنُؤْتِیَ الزَّکٰوةَ وَنَصُوْمَ رَمَضَانَ وَنَحُجَّ الْبَیْتَ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا

"آپ ﷺ نے حکم دیا کہ (۱) ہم اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (۲) ہم باقاعدہ پانچ وقت فرض نماز پڑھتے رہیں (۳) باقاعدہ سالانہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں (۴) باقاعدہ ماہ رمضان کے روزے رکھیں (۵) اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں"۔

فرمایا : وہ پانچ خصلتیں کیا ہیں جو زمانۂ جاہلیت سے تم اپنے ساتھ لائے ہو؟ عرض کیا :

(۱) اَلشُّکْرُ عِنْدَ الرَّخَاءِ وَالصَّبُوْرُ عِنْدَ الْبَلَاءِ وَالرِّضَاءُ بِمَرِّ الْقَضَاءِ وَالصِّدْقُ فِی مَوَاطِنِ اللِّقَاءِ وَتَرْکُ الشَّمَاتَةِ بِالْاَعْدَاءِ

"(۱) آرام اور راحت کے وقت اللہ کا شکر بجالانا (۲) مصیبت کے وقت صبر کرنا (۳) قسمت و تقدیر پر راضی رہنا (۴) دشمن سے لڑتے وقت صداقت و سچائی پیش نظر رکھنا اور (۵) دشمن کی تکلیف و مصیبت پر خوش نہ ہونا"۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا :((حُکَمَاءُ وَعُلَمَاءُ کَادُوا مِن فِقْهِهِمْ اَنْ یَّکُوْنُوا اَنْبِیَاءَ))

"حکماء اور علماء اپنی دانائی اور عالمانہ باتوں سے انبیاء کے قریب ہو جانے کا درجہ رکھتے ہیں"۔

پھر فرمایا : میں پانچ باتیں مزید اضافہ کرتا ہوں تاکہ بیس ہو جائیں۔

((فَلَا تَجْمَعُوْا مَا لَا تَاْکُلُوْنَ وَلَا تَبْنُوْا مَا لَا تَسْکُنُوْنَ وَلَا تَنَافَسُوْا فِی شَیْءٍ اَنْتُمْ عَنْهُ غَدًا تَزُوْلُوْنَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ وَعَلَیْهِ تُعْرَضُوْنَ وَارْغَبُوا فِیْمَا عَلَیْهِ تَقْدِمُوْنَ وَفِیْهِ تَخْلُدُوْنَ))

"(۱) جو چیز نہ کھاؤ اس کا ذخیرہ نہ کرو (۲) جس مکان میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ نہ ہو اس کو نہ بناؤ (۳) اس چیز میں (دنیا کی چیزوں میں) رغبت و شوق نہ رکھو جو کل تم سے زائل ہونے والی ہیں (۴) اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم نے ایک دن جانا ہے اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے (۵) جو چیز آگے بھیجنی ہے (عمل) اور جن کی وجہ سے تم ہمیشہ جنت میں رہو گے اس میں رغبت و شوق کرو"۔

(تاریخ اسلام، عبدالرحمٰن الدہلوی سے ایک انتخاب —— مرسل : حافظ محبوب احمد)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

"اور یقیناً ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی سمجھنے والا (کہ جو سمجھنا چاہے)؟"۔ (القمر)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں" (صحیح بخاری)

آپ کے لئے لمحۂ فکریہ

① کیا آپ قرآن مجید (صحیح تلفظ کے ساتھ) پڑھ سکتے ہیں؟
② کیا آپ قرآن مجید تلاوت کرتے وقت سمجھتے ہیں کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟
③ کیا آپ دورانِ نماز تلاوتِ قرآن کا مفہوم سمجھ رہے ہوتے ہیں؟
④ کیا آپ نے اپنے اہل خانہ کے لئے قرآن کی تعلیم کا بندوبست کر رکھا ہے؟
⑤ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ قرآن حکیم میں کیا لکھا ہے؟ کس لئے لکھا ہے؟
⑥ کیا آپ قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟
⑦ کیا آپ قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی میں تبدیلی محسوس کر رہے ہیں؟
⑧ کیا آپ نے قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جواب کی تیاری کر رکھی ہے؟
⑨ کیا آپ یوم محشر میں ہونے والے سوالات کے جوابات کے لئے تیار ہیں؟
⑩ کیا آپ جہنم کی آگ سے خود بچنے اور اپنے گھر والوں کو بچانے کا بندوبست کر رہے ہیں؟

اگر نہیں، تو آج ہی

قرآن مجید کو صحیح تلفظ سے پڑھنے، اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر کے اس پر عمل درآمد کی کوشش شروع کر دیں۔ کیا عجب کہ آپ کا یہ مصمم ارادہ ہی آپ کے لئے نجات کا باعث بن جائے۔

قرآن فہمی کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروسِ قرآن اور خطابات (کتابچے، آڈیو/ویڈیو کیسٹ اور CD) سے استفادہ کیجئے، جو مکتبہ انجمن خدام القرآن سے مل سکتے ہیں۔ عربی گرامر اور ترجمہ قرآن سیکھنے کے لئے شعبہ خط و کتابت کورس سے رجوع کریں —— مکتبہ اور شعبہ خط و کتابت کورس کا پتہ :

مرکزی انجمن خدام القرآن، K 36 ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

نبی اکرمؐ کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اِسی پر ہماری **نجات** کا دار و مدار ہے

اِس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

مطبوعہ

کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے